ISSN 2320-6519
U.G.C. Approved No.42266 (Ex.)

خصوصی گوشہ
احمد اقبال

سرزمین ولی اورنگ آبادی (دکن) سے جاری ہونے والا معیاری رسالہ

(سہ ماہی)

عکس ادب

(اردو)
اورنگ آباد

قارئین کی نیک تمناؤں کے ساتھ

Quarterly (Urdu)
AKS-E-ADAB
Aurangabad

شمارہ (۴۸) جلد (۱۳) جولائی تا ستمبر ۲۰۲۴ء

''سطح مرتفع دکن پر واقع شہر اورنگ آباد کو تاریخی وجغرافیائی اعتبار سے بڑی اہمیت حاصل ہے۔ کوہساروں اور لالہ زاروں کے درمیان واقع یہ شہر زمانے کے اُتار چڑھاؤ اور سرد وگرم دیکھ رہا ہے۔ صوفی سنتوں، ادیبوں، شاعروں، ہنرمندوں کے علاوہ یہاں کی بعض تاریخی عمارات اور گنگا جمنی تہذیب وتمدن کی وجہ سے اس شہر کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔'' (میرا شہر میرے لوگ۔ جلد سوم)

Quaterly Aurangabad
AKS-E-ADAB (Urdu)
email- akseadab@gmail.com

July to September 2024
MAHURD02321/13/1/2012-TC-Declaration Date : 21-09-2012
www.aksadaburdu.com

ISSN 2320-6519
Volume 13 Issue 48
U.G.C. Approved No.42266 (Ex.)

پروفیسر محمد تلاوت علی، میر ہاشم کا استقبال کرتے ہوئے۔ ساتھ میں کبیر احمد، پروفیسر شاہ حسین نہری اور احمد اقبال۔

عالم گیر ادب (کتابی سلسلہ) اورنگ آباد کی جانب سے احمد اقبال کے اعتراف خدمات کے جلسہ میں (بائیں سے) ڈاکٹر اشفاق اقبال، اسلم مرزا، ڈاکٹر ارتکاز افضل، احمد اقبال، ڈاکٹر عظیم راہی اور عبدالرحیم ارمان جالنوی۔

ڈاکٹر شیخ رمضان، رشید ماموں (سابق میئر)، ڈاکٹر مظہر الدین (پرنسپل مولانا آزاد کالج اورنگ آباد)، احمد اقبال (تقریر کرتے ہوئے۔)

کے ایم چشتی، الیاس احمد، ڈاکٹر محمود صدیقی، جے پی سعید، ڈاکٹر عصمت جاوید، اختر الزماں ناصر، احمد اقبال، معین الدین اور صلاح الدین صدیقی (۱۹۹۹ء)

احمد اقبال، شاہ حسین نہری کے ساتھ (۱۹۶۵ء)

احمد اقبال، حافظ عامر راہی (جالنہ) کے ساتھ (۲۰۲۳ء)

Publisher, Editor & Owner Dr. Yousuf Khan Jabbar Khan (Dr. Yousuf Sabir), Printed at Noorani Press, Mirza Ghalib Road, Near Juna Faran Hospital, Malegaon-324203, Dist. Nasik (MS) and published at P.No.174, S.No.201, Savera Park, Behind Ibrahim Masjid, Jatwada road, Harsul, Aurangabad-431008 (MS)

سہ ماہی اورنگ آباد

عکسِ ادب (اردو)

جلد(۱۳) شمارہ(۴۸) جولائی تا ستمبر۲۰۲۴ء

جو کسی خواب نے دیکھا نہ تصور نے کہیں
بات تو جب ہے کہ انسان وہاں تک پہنچے
(ڈاکٹر یوسف صابر)

مدیر اعلیٰ : ڈاکٹر یوسف صابرؔ (یوسف خان جبار خان) 09326772575
معاون مدیر : شرجیل احمد خان موبائل : 09595686784
اعزازی مدیر : ڈاکٹر نخشب مسعود موبائل : 09372012930
مینجنگ ڈائریکٹر : سیدہ فرزانہ نسیم موبائل : 09423877584

سرپرست
☆ڈاکٹر عبدالکریم سالار (جلگاؤں)
☆نور خاں (جالنہ)

مجلس مشاورت
☆علامہ ناوک حمزہ پوری (حمزہ پور)
☆ڈاکٹر معصوم شرقی (کولکتہ)
☆ڈاکٹر فرحت حسین خوشدلؔ (ہزاری باغ)
☆شفیع احمد شفیع (پربھنی)
☆ڈاکٹر درانی ایس۔ایم (ناندیڑ)
☆ڈاکٹر مبین نذیر (مالیگاؤں)
☆علیم طاہر (ممبئی)
☆محسن عظیم انصاری (لکھنؤ)

مجلس ادارت
☆ڈاکٹر عقیلہ سید غوث
☆ڈاکٹر عظیم راہی
☆سید مسعود احمد قیصر
☆ڈاکٹر عابد حسین محمد صادق
☆وجاہت قریشی
☆طاہر حسین طاہرؔ
☆ڈاکٹر شاہ ایاز
☆ڈاکٹر حبیب النساء
☆ڈاکٹر سلیم نواز حشرؔ
☆ڈاکٹر ارشاد احمد خان
☆اسسٹنٹ پروفیسر احمر عباس خان
☆ڈاکٹر محمد اقبال۔آئی۔جرمن
☆چشتی سلیم بیدردؔ

معاونین خصوصی
☆شاہ حسین نہری (اورنگ آباد)
☆پروفیسر شیخ عظیم الدین (اورنگ آباد)
☆ابراہیم خان (اورنگ آباد)
☆معز ہاشمی (اورنگ آباد)
☆ڈاکٹر مسرت فردوس (اورنگ آباد)
☆ڈاکٹر غزالہ پروین (اورنگ آباد)
☆ڈاکٹر سلیم نواز حشرؔ (اورنگ آباد)
☆ڈاکٹر سلیم محی الدین (اورنگ آباد)
☆ڈاکٹر دوست محمد خان (اورنگ آباد)
☆ڈاکٹر شہاب افسر (اورنگ آباد)
☆احمد خان ایم۔اے (اورنگ آباد)
☆ڈاکٹر مبین نذیر (مالیگاؤں)
☆ڈاکٹر شاہ ایاز (مالیگاؤں)
☆ڈاکٹر عابد حسین محمد صادق (مالیگاؤں)
☆سمیع اللہ خان زید اللہ خان پٹھان (پربھنی)
☆ڈاکٹر حبیب النساء (پربھنی)
☆ڈاکٹر نسیم بیگم عبدالسلیم (پربھنی)
☆ڈاکٹر ارشاد احمد خان (ناندیڑ)
☆ڈاکٹر محمد عبدالرافع (ناندیڑ)
☆ڈاکٹر عقیلہ سید غوث (امباجوگئی)
☆احمر عباس خان زاہد خان (ایوت محل)
☆شیخ معین الدین فکر پرتاپ گڑھی (ممبئی)

فی شمارہ	:	۷۵/روپئے
زرسالانہ(بدست)	:	۳۰۰/روپئے
زرسالانہ(سادہ پوسٹ)	:	۴۰۰/روپئے
لائبریری کے لئے	:	۳۰۰/روپئے
رجسٹرڈ پوسٹ	:	۵۰۰روپئے
تاحیات ممبرشپ(بھارت)	:	۵۰۰۰روپئے
بیرونی ممالک	:	۱۰۰۰۰/تا۱۵۰۰۰/روپئے

سرکولیشن منیجر : تنزیل احمد خان (Mob. 09284747707)

خریداری اور اشتہار کے لئے منی آرڈر، چیک اس نام سے بھیجیں :
Yousuf Khan Jabbar Khan
Bank of Maharashtra
S/Ac/ No. 60021185230
IFSC code MAHB 0000278
SBI
S/Ac/No.SB 52068629025
IFSC code SBIN 0020786

مقام اشاعت/ترسیل زر/مضامین/تخلیقات سے متعلق خط و کتاب کا پتہ
Yousuf Khan Jabbar Khan
Editor: **Aks-e-Adab** *(Quarterly)*
P.No.174, S.No.201,
Savera Park, Behind Ibrahim Masjid, Jatwada Road,
Harsul, Chh. Sambhajinagar
Dist. Post Chh. SAMBHAJINAGAR (M.S.) 431008
Mobile: 09326772575
email : akseadab@gmail.com

Website : https://www.akseadaburdu.com

طباعت
نوری آفسیٹ پریس
مرزا غالب روڈ، جونا فاران اسپتال، مالیگاؤں ضلع ناسک (مہاراشٹر)

نوٹ: مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔
''عکسِ ادب'' سے متعلق کوئی بھی قانونی چارہ جوئی اورنگ آباد کی عدالت میں ہی ہوگی۔

☆ ترتیب و تزئین ☆

اداریہ	ڈاکٹر یوسف صابرؔ	۳
اسلامیات	سیدہ فرزانہ نسیم	۴
عکس ایماں	حمد پاک، مناجات، نعتیں	۵
☆مغزادب	ڈاکٹر یوسف صابرؔ	۶
☆مضامین		
● شفق رضوی عمادی پوری بحیثیت رباعی گو	سیدہ حشمت آراء	۷
● اعلیٰ تعلیم کا معیار اور عملی تحقیق	ڈاکٹر ابراہیم جاگیردار	۹
● پیاز۔ورقیوں میں قدرتی صناعی	ڈاکٹر رفیع الدین ناصر	۱۱
● اردو ٹی وی چینلز کے مثبت پہلو	سراج انور محمد میراں	۱۲
● برمحل اشعار اور اُن کے ماخذ	خلیق الزماں نصرت	۱۴
● فراقؔ کی شاعری۔ایک سرسری جائزہ	مہ ذہین شیخ	۱۵
● قرآن اور تخلیق انسانی (دوسری قسط)	(کیپٹن) ڈاکٹر ایم ایم شیخ	۱۷
● ڈاکٹر ارتکاز افضل کی تنقیدی بصیرت	ڈاکٹر ارشاد احمد خاں	۱۸
● اچھی نثر کیا ہے؟	ڈاکٹر آصف فیضی	۲۰
● سہ ماہی ادبی رسالہ 'عکس ادب' اورنگ آباد کے......	ڈاکٹر عابد حسین ایم ایس	۲۲
● اردو میں خاکہ نگاری: فن وارتقاء	محمد مزمل حسین	۲۵
● ناول 'فرات' ایک جائزہ	مشرف عالم	۲۷
● ناول 'دویہ بانی' ایک جائزہ	ڈاکٹر سیف اللہ	۲۹
● پروین شاکر کا غزلیہ لہجہ	ڈاکٹر شفیعہ جمیل	۳۱
● پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی: بچوں کے ادیب	ڈاکٹر محمد پرویز	۳۳
● قصیدۂ حضرت شاہ نعمت اللہ ولیؒ کا سرسری جائزہ	ڈاکٹر نرگس بانو	۳۵
● ہم عصر اردو افسانے کی معتبر نسوانی آوازی	رقیہ خانم	۳۵
☆خصوصی گوشہ احمد اقبال		۳۷ تا ۵۷

قلمکار : ڈاکٹر یوسف صابرؔ، ڈاکٹر عصمت جاوید شیخ، میر ہاشم، جے پی سعید، ڈاکٹر ارتکاز افضل، اسلم مرزا، نور الحسنین، انتخاب حمید، ڈاکٹر عظیم راہی، پروفیسر رفیع الدین ناصر، خان شمیم، بشر نواز، محمد ضیاء الدین احمد شکیب، وکیل نجیب، ڈاکٹر محمد صدر الحسن ندوی مدنی، سلیم شہزاد، مسعود اختر، ڈاکٹر مسرت فردوس، ملک بزمی

☆شاعری		
توشیحی نظم بنام ڈاکٹر عظیم راہی	ڈاکٹر یوسف صابرؔ	۵۵
یاسین انصاری کا منتخب کلام مع تعارف		۵۸
غزلیں		
رضا جالنوی	....	۲۱
ماجد علی کاوشؔ، شفیع احمد شفیع، سیفی اعظمی سیف، شیخ فیصل، راہی جنتوری		۵۹
اظہر فاروقی اظہر	....	۶۱
☆افسانچے		
ڈاکٹر عظیم راہی، ندیم مرزا، ارشد صدیقی، اختر صادق، ڈاکٹر نخشب مسعود		۶۰
ڈاکٹر شہاب افسر خان، ڈاکٹر رقیہ جمال، ڈاکٹر غزالہ پروین		۶۱
☆خاکچے ندیم مرزا	....	۶۲
☆تبصرے ڈاکٹر یوسف صابرؔ	....	۶۳
ڈاکٹر مبین نذیر	....	۶۴
☆اخبار عکس ادب، خلوص عکس ادب	....	۶۴

کافی نہیں ہوا و بال و پر جہان میں
کچھ حوصلہ بھی ہوتا ہے لازم اڑان میں

ڈاکٹر یوسف صابرؔ

لائف ممبران

(۱) عتیقہ اطہر موسیٰ (اورنگ آباد)
(۲) قاضی خسرو (اورنگ آباد)
(۳) ڈاکٹر مسرت فردوس (اورنگ آباد)
(۴) ڈاکٹر کیرتی مالنی جاوٴلے (اورنگ آباد)
(۵) انصاری ابرار احمد (اورنگ آباد)
(۶) مہر سلطانہ جبار قریشی (اورنگ آباد)
(۷) ڈاکٹر عبدالرب (اورنگ آباد)
(۸) سید وہاب الحق (اورنگ آباد)
(۹) محمد سعید احمد محمد سردار (اورنگ آباد)
(۱۰) ڈاکٹر فرحت نسرین (اورنگ آباد)
(۱۱) ڈاکٹر شرف النہار (اورنگ آباد)
(۱۲) ڈاکٹر معین فاطمہ (اورنگ آباد)
(۱۳) ڈاکٹر مخدوم فاروقی (اورنگ آباد)
(۱۴) مولانا آزاد کالج (اورنگ آباد)
(۱۵) شیخ شہلا سلطانہ (اورنگ آباد)
(۱۶) برہانی نیشنل اردو پرائمری اسکول (اورنگ آباد)
(۱۷) ڈاکٹر قاضی رضوانہ شمیم (اورنگ آباد)
(۱۸) اسماء روحی قادری (اورنگ آباد)
(۱۹) شیخ ظہور احمد (اورنگ آباد)
(۲۰) ابراہیم خان لیاقت خان (اورنگ آباد)
(۲۱) ڈاکٹر سلیم نواز حشرؔ جعفر آبادی (اورنگ آباد)
(۲۲) ڈاکٹر قمر النساء (خلد آباد)
(۲۳) مبین نذیر (مالیگاوٴں)
(۲۴) مقصود اشرف (مالیگاوٴں)
(۲۵) ڈاکٹر شاہ ایاز (مالیگاوٴں)
(۲۶) ڈاکٹر شاداب روش (مالیگاوٴں)
(۲۷) انصاری عتیق احمد محمد شعبان (مالیگاوٴں)
(۲۸) سٹی کالج (مالیگاوٴں)
(۲۹) خان عبدالغفار خان کالج (پاتھری)
(۳۰) عالیہ کوثر (اسسٹنٹ پروفیسر) (جالنہ)
(۳۱) تحسین درانی (جالنہ)
(۳۲) عبدالوہاب (اسسٹنٹ پروفیسر) (جالنہ)
(۳۳) ڈاکٹر نسیم بیگم (پربھنی)
(۳۴) ڈاکٹر سلیم محی الدین (پربھنی)
(۳۵) خضر احمد خان شررؔ (پربھنی)
(۳۶) حبیب النساء (پربھنی)
(۳۷) ڈاکٹر قاضی کلیم (پربھنی)
(۳۸) ڈاکٹر شبانہ درانی (ناندیڑ)
(۳۹) ڈاکٹر ارشاد احمد خان (ناندیڑ)
(۴۰) شیخ ہما کوثر (اسسٹنٹ پروفیسر) (ناندیڑ)
(۴۱) اظہر احمد غلام یزدانی (ناندیڑ)
(۴۲) اختر صادق (ناندیڑ)
(۴۳) محمد اختر (ناندیڑ)
(۴۴) ڈاکٹر سید اصفیہ مدنی سید زکریا (بیڑ)
(۴۵) ڈاکٹر سید فرید احمد نہری (بیڑ)
(۴۶) ڈاکٹر عظمیٰ تسنیم (پونہ)
(۴۷) ڈاکٹر عنبر خاتون (ہزاری باغ)
(۴۸) ڈاکٹر فرحت حسین خوشدل (ہزاری باغ)
(۴۹) رشید ضاربؔ (حیدر آباد)
(۵۰) ڈاکٹر عقیلہ سید غوث (امبہ جوگائی)
(۵۱) ڈاکٹر مقبول احمد مقبول (ادگیر)
(۵۲) سید سمیع الدین (بیدر)
(۵۳) J.J.T.University (راجستھان)
(۵۴) محبوب پاشا اعظمی (چنئی)
(۵۵) ڈاکٹر نکہت آراء (شولاپور)
(۵۶) شیخ ارم فاطمہ (نلنگہ)
(۵۷) ڈاکٹر محمد ناصر اللہ انصاری (لاتور)
(۵۸) احمر عباس خان (ایوت محل)

اداریہ

یہ ضروری نہیں ہر تیر نشاں تک پہنچے
حق ہو آواز تو پہنچا دو جہاں تک پہنچے

(ڈاکٹر یوسف صابر)

احمد اقبال کی ۸۵ ویں سالگرہ 05/11/2024 کو ہے اسی مناسبت سے ان کا ''عکس ادب'' کے اس شمارے میں گوشہ شامل کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں صحت مندی کے ساتھ لمبی عمر عطا کرے۔ (آمین) احمد اقبال صاحب کا گوشہ سیٹ کرنے میں ڈاکٹر عظیم راہی کا بڑا تعاون شامل رہا۔ اس کے لئے ادارہ ''عکس ادب'' ان کا مشکور ہے۔ مرہٹواڑہ میں متعدد شعراء نے اپنے شعری کارناموں سے جس طرح عالم ادب میں انمٹ نشان چھوڑے ہیں، اسی طرح یہاں کے نثر نگاروں نے بھی اردو ادب کی دنیا میں خود کو منوایا ہے۔ نورالحسنین نے فکشن میں خصوصاً ناول نگاری میں، ڈاکٹر عظیم راہی نے افسانچہ نگاری میں اور غیر افسانوی ادب میں ڈاکٹر رفیع الدین ناصر نے ماحولیات و سائنس میں اسی طرح احمد اقبال نے اورنگ آباد کے معتبر شخصیات کی ادبی تاریخ مرتب کر کے غیر افسانوی ادب میں اپنا نام روشن کیا ہے۔ احمد اقبال مرہٹواڑہ کی ایک مستند قلمکار ہیں۔ اس سے پہلے قمر اقبال، نورالحسنین، اسلم مرزا، عظیم راہی، شفیع احمد شفیع، ڈاکٹر فہیم صدیقی، ڈاکٹر سید عقیلہ غوث، ڈاکٹر سلیم نواز حشر جعفر آبادی، ڈاکٹر رفیع الدین ناصر، بشیر احمد اسیر، ڈاکٹر مسرت فردوس اور رضا جالنوی جیسے مرہٹواڑہ کے قد آور قلم کاروں کے گوشے شائع ہو چکے ہیں۔ ''عکس ادب'' کے خصوصی گوشوں میں مرہٹواڑہ کے قلم کاروں کو اس لئے بھی اہمیت دی گئی ہے کہ مرہٹواڑہ کے قلمکاروں نے اپنے ادبی کارناموں سے عالم اردو ادب میں مرہٹواڑہ کے نام کو انتہائی بلند مقام پر پہنچایا ہے۔ اس سے پہلے خصوصی گوشہ منتخب شعرائے مرہٹواڑہ کے نام سے تین حصے ''عکس ادب'' میں شائع ہو چکے ہیں۔ اس بار احمد اقبال کا خصوصی گوشہ ''عکس ادب'' میں شائع کر کے اسی سلسلے کو آگے بڑھایا جا رہا ہے۔ احمد اقبال بھی مرہٹواڑہ کے ناقابل فراموش قلمکار ہیں اور اسی زنجیر کی ایک کڑی ہیں۔ اس سلسلے کو مزید آگے بڑھانے کی کوشش ادارہ عکس ادب کی جانب سے آئندہ بھی جاری رہے گی۔ یہ سلسلہ مزید کہاں تک آگے بڑھتا ہے یہ تو آنے والا وقت ہی بتلائے گا۔

خاکسار

ڈاکٹر یوسف صابر

مدیر اعلیٰ

سہ ماہی 'عکس ادب' اردو

دینی معلومات

قواعد متعلقِ قرأت

قاعدہ(۱) : پارہ۱۲،رکوع۴،آیت۶ میں جوکلمہ مَجْرٖھا ہے،اس میں 'را' کا زیر اِس طرح پڑھا جائے گا کہ اس کے بعد یائے مجہول ادا ہو اور یائے مجہول سارے قرآن میں صرف اسی ایک جگہ ہے۔ جسے پارے کی 'را' کا زیر پڑھتے ہیں۔(۲) پارہ۲۶ سورہ حجرات،رکوع۳،آیت ایک،کلمہ بِئْسَ الاِسْمُ میں بئس کا سین کسی حرف سے نہیں ملانا چاہئے بلکہ اس کے بعد کا لام اگلے سین میں ملتا ہے اور یوں پڑھا جاتا ہے : بِئْسَ لِسْمُ (۳) پارہ۳،سورہ آل عمران آیت ایک : آلٓمّٓ اللّٰہُ اس کو یوں نہیں پڑھنا چاہئے کہ اَلِفْ لَامْ مِیْمْ مَ اللّٰہُ بلکہ یوں پڑھنا چاہئے : اَلِفْ لَامْ مِیْمَ اللّٰہُ (۴) جس حرف پر زیر یا زبر یا پیش ہو تو اگر اس سے آگے الف یا واؤ نہ ہو تو اس کو بڑھا کر اور یہ حرف ہوں تو اس کو گھٹا کر نہ پڑھنا چاہئے۔ مثالیں خود سمجھ لو۔

قواعد متعلقِ تجوید

(۱) یہ حروف ہمیشہ پُر پڑھے جاتے ہیں۔ خ،ص،ض،ط،ظ،غ،ق۔(۲) ن اور م پر جب تشدید ہو تو غنہ سے پڑھنا چاہئے۔ غنہ کے معنی یہ ہیں کہ اس آواز کو ذرا دیر تک ناک میں نکالتے رہو۔(۳) پیش کو واؤ کی بودے کر اور زیر کو 'یا' کی بودے کر پڑھنا چاہئے۔(۴) جہاں نون پر جزم ہو اور اس نون کے بعد ان حرفوں میں سے کوئی حرف ہو تو اس نون کو غنہ سے پڑھنا چاہئے۔ وہ حروف یہ ہیں: ت،ث،ج،د،ذ،ز،س،ش،ص،ض،ط،ظ،ف،ق،گ۔ مثالیں واضح ہیں۔(۵) ایسے ہی اگر کسی حرف پر تنوین یعنی دو زبر یا دو پیش یا دو زیر ہوں اور اس حرف کے بعد انہی مذکورہ پندرہ حرفوں میں سے کوئی حرف ہو تو بھی اس تنوین کی آواز کو غنہ کرو۔(۶) جس کلمہ میں نون پر جزم ہو اور اس کے بعد 'را' یا لام آئے تو اس نون میں نون کی آواز بالکل نہیں رہتی بلکہ وہ نون 'را' یا 'لام' سے بدل جاتا ہے۔ جیسے مِنْ رَّبِّھِمْ اور لٰکِنْ لَّا (۷) اگر کسی حرف پر تنوین ہو یعنی دو زبر یا دو زیر یا دو پیش جس سے نون کی آواز نکلتی ہے اور اس کے بعد 'را' یا لام ہو تو اس تنوین میں بھی نون کی آواز نہیں رہے گی بلکہ وہ بھی 'را' یا لام سے بدل جائے گا۔ جیسے : غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ اور ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ (۸) اگر نون پر جزم ہو اور اس کے بعد حرف 'ب' ہو تو اس نون کو میم کی طرح پڑھیں گے اور اس پر غنہ بھی کریں گے اور یہی حکم تنوین کا ہے۔ اگر اس کے بعد حرف ب ہو، اسی لئے قرآن میں ایسے موقع پر ایک چھوٹی سی میم لکھ دیتے ہیں۔(۹) جہاں میم پر جزم ہو اور اس کے بعد حرف ب ہو تو اس میم کو غنہ کریں گے، جیسے یَعْتَصِمْ بِاللّٰہِ (۱۰) جس حرف پر تنوین ہو اور اس کے بعد والے حرف پر جزم تو دو زیر والی تنوین میں ایک زیر اور دو پیش والی میں ایک پیش اور دو زبر والی میں ایک زبر پڑھیں گے اور اس کے بعد جو الف زائد ہے اس کو بالکل نہ پڑھیں گے اور ایک نون زیر والا نکال کر جزم والے حرف میں ملا کر پڑھیں گے۔ مثلاً خَیْرًا الْوَصِیَّۃُ کو خَیْرَنِ الْوَصِیَّۃُ اور قَدِیْرٌ الَّذِیْ کو قَدِیْرُنِ الَّذِیْ اور خَبِیْثَۃٍ اجْتُثَّتْ کو خَبِیْثَتِ نِ اجْتُثَّتْ پڑھیں گے۔ اسی لئے قرآن کے نسخوں میں ایسے موقعوں پر ایک چھوٹا سا نون لکھ دیا کرتے ہیں۔(۱۱) اگر 'را' پر زیر یا پیش ہو تو اس کو پُر پڑھنا چاہئے اور اگر زیر ہو تو باریک اور اگر جزم ہو تو اس سے پہلے والے حرف کو دیکھنا چاہئے۔ اگر اس پر زبر یا پیش ہے تو 'را' کو پُر پڑھنا چاہئے اور اگر زیر ہو تب باریک پڑھنا چاہئے مگر یہ قاعدہ اکثر اس کے خلاف بھی ہو جاتا ہے۔(۱۲) لفظ اللّٰہ اور اللّٰھُمَّ کے لام کا یہ قاعدہ ہے کہ اگر اس سے پہلے والے حرف پر زبر یا پیش ہو تو لام کو پُر پڑھنا چاہئے اور زیر ہو تو باریک۔(۱۳) جس جگہ گول ت ہو، خواہ کسی حرف سے ملی ہوئی جیسے یَۃِ یا الگ جیسے صرف ۃ اور اس پر وقف کرنا ہو تو اس ت کو 'ہا' پڑھیں گے۔ جیسے قَسْوَۃً کا قَسْوَہْ ایسے ہی اٰتُوا الزَّکٰوۃَ میں اٰتُوا الزَّکٰوہْ پڑھیں گے۔ (۱۴) جس حرف پر دو زبر ہوں اور اس پر ٹھہرنا ہو تو اس حرف کے آگے الف پڑھیں گے۔ جیسے نِدَاءً ہو تو نِدَاءَا (۱۵) جس جگہ قرآن شریف میں ایسی نشانی ~ یا ایسی ~ ہو، وہاں حرف کو بڑھا کر پڑھو، جیسے وَلَا الضَّآلِّیْنَ میں الف کو اور الفوں سے زیادہ بڑھا کر پڑھنا چاہئے اور قَالُوْٓا اٰمَنَّا میں قَالُوْٓا کے واؤ کو بڑھا کر پڑھیں اور فِیْٓ اٰذَانِھِمْ میں یا کو بڑھا کر پڑھنا چاہئے۔(۱۶) جس حرف پر جزم ہو اور اس کے بعد والے حرف پر تشدید ہو تو اس جگہ پہلا حرف نہ پڑھیں گے۔ جیسے قَدْ تَّبَیَّنَ میں دال نہ پڑھیں گے اور قَالَتْ طَّآئِفَۃٌ میں ت نہ پڑھیں گے اور لَئِنْ بَّسَطْتَّ میں ط نہ پڑھیں گے اور اگر یہ جزم والا حرف ن ہو یا تنوین سے نون پیدا ہوا ہو اور اس کے بعد والا حرف مشدد یا واؤ ہو تو وہاں پڑھنے میں نون کی بور ہے گی۔ جیسے مَنْ یَّقُوْلُ اور ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ میں نون کی آواز ناک میں پیدا ہوگی۔ (ماخوذ : نور القلوب قرآن شریف مترجم)

از : سیدہ فرزانہ نسیم (اورنگ آباد)
9326772575

عکسِ ایمان

حمدِ پاک

ڈاکٹر یوسف صابرؔ (اورنگ آباد)
موبائل : 9326772575

یہ دھرتی یہ امبر یہ چندا یہ تارے
یہ ندیا یہ دریا ، سمندر کنارے
یہ سورج یہ بادل یہ دلکش نظارے
یہ ٹھنڈی ہوائیں یہ پانی کے دھارے
بنے جب ہمارے لئے ہی یہ سارے
تو پھر کیوں نہ دل کی یہ دھڑکن پکارے
خدا ہے ، خدا ہے ، خدا ہے ، خدا ہے
خدا ہے ، خدا ہے ، خدا ہے ، خدا ہے

ہر اک سانس انمول نعمت ہے تیری
ہر اک ماں کی ممتا میں شفقت ہے تیری
ہر اک پر ہی یکساں یہ رحمت ہے تیری
انوکھی یہ سب سے محبت ہے تیری
تجھے جب ہیں پیارے سبھی غم کے مارے
تو پھر کیوں نہ دل کی یہ دھڑکن پکارے
خدا ہے ، خدا ہے ، خدا ہے ، خدا ہے
خدا ہے ، خدا ہے ، خدا ہے ، خدا ہے

یہ رنگین پھولوں پہ رنگین تتلی
یہ بادل کے پہلو میں تھرّاتی بجلی
تیرا نام لے لے کے کہتی ہے سب سے
یہ لہراتی ، بل کھاتی پانی میں مچھلی

تو جاں میں ہماری تو دل میں ہمارے
تو پھر کیوں نہ دل کی یہ دھڑکن پکارے
خدا ہے ، خدا ہے ، خدا ہے ، خدا ہے
خدا ہے ، خدا ہے ، خدا ہے ، خدا ہے

تو اوّل تو آخر تو باطن تو ظاہر
تو ذرّے کو پربت بنانے میں ماہر
تو جبّار ستّار غفّار مولا
تو ظاہر میں طاہر ہے باطن میں طاہر
ترے رنگ سارے ترے روپ سارے
تو پھر کیوں نہ دل کی یہ دھڑکن پکارے
خدا ہے ، خدا ہے ، خدا ہے ، خدا ہے
خدا ہے ، خدا ہے ، خدا ہے ، خدا ہے

مناجات

سعید رحمانی (کٹک)
موبائل : 7978439220

میرے خدا مجھے نہ وہ مال و منال دے
جو کچھ بھی مجھ کو دینا ہے وہ حسبِ حال دے
ہم کو ہدف ستم کا بنانے لگے ہیں غیر
یارب تو ان کے جور کو یومِ زوال دے
طوفاں مچل رہے ہیں سفینے کے آس پاس
تو اس کو مشکلوں کے بھنور سے نکال دے
اب تک اذیّتوں میں گزاری ہے زندگی
راحت کے پُرسکون ہمیں ماہ و سال دے
حمد و ثنا میں لکھتا رہوں تیری شان میں
میرے ہر ایک لفظ کو حسنِ کمال دے
دامن پسارے آیا ہے در پر ترے سعیدؔ
تو گوہرِ مراد کو جھولی میں ڈال دے

نعت

جمیل نظام آبادی

تیرگی شب کی کہے بدرالدجیٰ ہیں مصطفےٰ
روشنی شاہد ہے کہ شمس الضحیٰ ہیں مصطفےٰ
ہے بلندی کو خبر صدر العلیٰ ہیں مصطفےٰ
معترف ہے رہبری نورالہدیٰ ہیں مصطفےٰ
برکتوں کا ، رحمتوں کا ، سلسلہ ہیں مصطفےٰ
ہر زمانے کے لئے رب کی عطا ہیں مصطفےٰ
وہ مقام و مرتبہ وہ اختیار و احترام
ہے حقیقت بس یہی بعداز خدا ہیں مصطفےٰ
انبیاء پیچھے کھڑے ہیں ہاتھ باندھے آپؐ کے
مقتدی ہیں سب امام الانبیاء ہیں مصطفےٰ
کوئی مشکل پاس میرے آ نہیں سکتی جمیلؔ
مشکلیں ہیں باخبر ، مشکل کشا ہیں مصطفےٰ

نعت

سید محمد الحسن ہاشمی (حیدرآباد)

بتلائے گی جہاں کو یہ امت رسولؐ کی
ہے پیاری جان سے اُسے حرمت رسولؐ کی
کل جتنی آپ کی تھی ضرورت اسی قدر
دنیا کو آج بھی ہے ضرورت رسولؐ کی
خون اور رنگ و نسل کے رشتے تعلقات
ہر شئے سے قیمتی ہے محبت رسولؐ کی
جو جانتے ہیں ، جانتے ہیں رتبۂ رسولؐ
ہر کوئی جانتا نہیں عظمت رسولؐ کی
پوچھو خدا سے اُس کو سمجھنے کے واسطے
گر جانتے نہیں ہو حقیقت رسولؐ کی
اعداء کی سازشیں بھی بڑھیں گی حسنؔ ضرور
بڑھتی ہی جارہی ہے جو شہرت رسولؐ کی

مخزنِ ادب

ڈاکٹر یوسف صابر (اورنگ آباد)
موبائل : 9326772575

☆ بحر متقارب کا شمار مفرد بحروں میں ہوتا ہے۔

☆ بحر متقارب کا بنیادی رکن فعولن ہے۔

☆ فعو میں ۳/حروف اور لن میں ۲/حروف شمار ہوتے ہیں۔

☆ فعو وتد مجموعہ ہے اور لن سببِ خفیف ہے۔

☆ بحر متقارب مثمن سالم میں فعولن ایک شعر میں آٹھ مرتبہ آتا ہے اور ایک مصرعے میں چار بار

☆ بحر متقارب مثمن سالم کے ایک مصرع میں (۲۰) حروف اور ایک شعر میں (۴۰) حروف ہوں گے۔

☆ بحر متقارب مثمن سالم کا شعر ؎

کہا سب نے سن کر صدائے محمدؐ
وہ آئے محمدؐ لو آئے محمدؐ

اس شعر کی تقطیع اس طرح ہوگی :

فعولن	فعولن	فعولن	فعولن
کہاسب	نِ سن کر	صدائے	محمدؐ
وہ آئے	محمدؐ	لوآئے	محمدؐ

☆ فعولن اگر ایک مصرعے میں آٹھ بار لائیں اور ایک شعر میں سولہ بار لائیں تو اس بحر کو بحر متقارب مثمن سالم مضاعف کہتے ہیں۔

☆ اگر بحر متقارب میں چوتھا رکن فعولن کی بجائے فعل کر دیں تو اس بحر کا نام بحر متقارب مثمن محذوف ہوگا۔ اس کا شعر اس طرح ہوگا ؎

سنو یہ کہانی ہماری نہیں صنم یہ نشانی ہماری نہیں

اس شعر کی تقطیع اس طرح ہوگی ؎

فعولن	فعولن	فعولن	فعل
سنویہ	کہانی	ہماری	نہی
صنم یہ	نشانی	ہماری	نہی

☆ اگر بحر متقارب میں چوتھا رکن فعولن کی بجائے فعول کر دیں تو اس بحر کا نام بحر متقارب مثمن مقصور ہوگا۔ اس کا شعر اس طرح ہوگا ؎

یہ دولت یہ دولت پہ مستی، سرور
یہ دو دن کی ہستی اور اس پر غرور

اس شعر کی تقطیع اس طرح ہوگی :

فعولن	فعولن	فعولن	فعول
ی دولت	ی دولت	پ مستی	سرور
ی دو دن	کِ ہستی	ارس پر	غرور

ان دو بحروں کا خلط جائز ہے۔ یعنی ہم پہلے مصرعے کے چوتھے رکن میں فعل اور دوسرے مصرعے کے چوتھے رکن میں فعول لا سکتے ہیں یا اس کا الٹ بھی یعنی پہلے مصرعے کے چوتھے رکن میں فعول لا سکتے ہیں اور دوسرے مصرعے میں فعل لا سکتے ہیں۔

☆ اگر بحر متقارب میں فعولن ایک شعر میں چھ بار (مصرع میں تین بار) لایا جائے تو اس بحر کا نام بحر متقارب مسدس سالم ہوگا۔ اس بحر کا شعر اس طرح ہوگا ؎

غموں کو پرو کر غزل کہہ تو یادوں میں کھو کر غزل کہہ

اس شعر کی تقطیع اس طرح ہوگی :

فعولن	فعولن	فعولن
غموکو	پروکر	غزل کہہ
ت یادو	م کوکر	غزل کہہ

☆ بحر متقارب مسدس سالم میں تیسرا رکن فعل کر دیں تو اس بحر کا نام بحر متقارب مسدس محذوف ہوگا اور اگر تیسرا رکن فعول کر دیں تو اس بحر کا نام بحر متقارب مسدس مقصور ہوگا۔ ان دونوں کا خلط جائز ہے۔ جیسے:

ہے اس میں ہمارا ابھی نام (مقصور)
کہانی ہماری نہیں (محذوف)

☆ فعلن فعولن فعلن فعولن یہ چار ارکان ایک مصرعے میں اور ایک شعر میں یہی ترتیبِ ارکان آٹھ کر لیں تو اس بحر کا نام بحر متقارب مثمن اثلم سالم ہوگا۔ جیسے ؎

غمزے سمجھ لو سمجھو ادائیں
اس کی وفائیں اس کی جفائیں

اس شعر کی تقطیع اس طرح ہوگی :

فعلن	فعولن	فعلن	فعولن
غمزے	سمج لو	سمجو	ادائے
اس کی	وفائے	اس کی	جفائے

☆ اگر فعلن ایک مصرعے میں چار بار اور ایک شعر میں آٹھ بار لائیں تو اس بحر کا نام بحر متقارب مثمن اثلم ہوگا۔ جیسے ؎

کیسے کوئی آئے دل میں جب ہو تاریکی محفل میں

اس شعر کی تقطیع اس طرح ہوگی :

فعلن	فعلن	فعلن	فعلن
کیسے	کوئی	آئے	دل مے
جب ہو	تاری	کی مح	فل مے

☆ فعل فعولن فعل فعولن ایک مصرعے میں چار اور ایک شعر میں آٹھ ہو تو اس سے بننے والی بحر کا نام بحر متقارب مثمن اثرم سالم ہوگا اور اس بحر کا شعر یوں ہوگا ؎

چپ جو رہیں تو دل میں چبھن ہو
بات کریں تو ہونٹ جلیں گے

اس شعر کی تقطیع اس طرح ہوگی :

فعل	فعولن	فعل	فعولن
چپ ج	رہے تو	دل مِ	چبن ہو
بات	کرے تو	ہوٹ	جلے گے

ں اور ھ تقطیع میں شمار نہیں کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح جو حروف لکھے جاتے ہیں لیکن پڑھے نہیں جاتے تقطیع میں شمار نہیں ہوں گے اور اس کے الٹ جو حروف پڑھے جاتے ہیں لیکن لکھے نہیں جاتے وہ تقطیع میں شمار کئے جاتے ہیں۔

☆☆☆

مضامین

شفق رضوی عماد پوری بحیثیت رباعی گو

● سیدہ حشمت آراء (ریسرچ اسکالر)
Seyda Hashmat Ara D/o S.M.Shahab
Research Scholar
V.K.S. University Ara *(Bihar)*

☆ **خلاصہ *(Abstract)***

رباعی شاعری کی ایک مشکل صنف سخن ہے مگر اس فن میں شعراء نے طبع آزمائی کی ہے۔ بہار کے بھی متعدد شعراء ہیں جنھوں نے رباعی گوئی میں مہارت حاصل کر کے ادب میں اپنا مقام بنایا ہے۔ اس مختصر مضمون میں بہار کے رباعی گو شاعر شفق رضوی عماد پوری کی رباعی گوئی کا سرسری جائزہ لیا گیا ہے۔

☆ **تعارف *(Introduction)***

بہار کے رباعی گو شاعروں میں شفق رضوی عماد پوری کا نام بھی شامل ہے۔ ۱۹۱۴ء میں شفق کے مجموعہ کلام ''ریاض شفق'' کی اشاعت ہوئی تھی جس میں غزلوں، نظموں اور قصیدوں کے علاوہ رباعیات بھی ہیں۔ شفق کی رباعیوں کے کئی مجموعے شائع ہوئے۔ ان کا ایک مجموعہ ''دل سی پارہ'' ہے جو ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۳۱ء میں اسحٰق علی علوی کی نگرانی میں الفاظ پریس لکھنؤ سے چھپا تھا۔ یہ ۴۰ رصفحات پر مشتمل ہے اور جیسا کہ نام ہی سے ظاہر ہے ''دل'' کے مضمون پر اس میں تیس دلکش رباعیاں یکجا ہوئی ہیں اور بقول حضرت جلیلؔ ''ہر رباعی تازگی میں فرد ہے'' شفق کی رباعیوں میں متعلقہ مضمون کا بیان عجیب عجیب تجربوں سے آراستہ نظر آتا ہے۔ مثال کے طور پر مذکورہ مجموعہ کی یہ آخری رباعی دیکھئے، جس میں شاعر نے از روئے ابجد ''دل'' کی وضاحت کی ہے۔

ہیں تیس رباعیاں جو از روئے شمار
مصرعے بھی رباعیوں کے گنتی میں ہیں چار
دونوں سے نمایاں ہیں شفق دل کے عدد
لیکن ٹکڑوں کو دل کے گننا دشوار

شفق کے اس مجموعے کا دیباچہ سریکا بری نے لکھا ہے۔ ان کے لفظوں میں :

''یہاں ایک سے ایک رباعیاں عارفانہ رنگ میں ڈوبی ہوئی ہیں اور شاعر کی غواصی فن کا پتہ دے رہی ہے۔ دل کے دو حرف ہیں جو اس سی پارے میں دفتر بن کر اُتر آئے ہیں۔''

شاعر نے یہاں ''آنکھ اور دل''، ''دل کی تہہ''، ''دل کا گھر''، ''دل کا دروازہ''، ''دل کا قبلہ''، ''دل کا خزانہ''، ''دل کا آئینہ''، ''دل کی دنیا''، ''دل کا ویرانہ''، ''دل کی بستی''، ''دل کی فتح و شکست''، ''دل کا داغ''، دل کی قیمت'' کی تراکیب اپنی رباعیات کے توسط سے پیش کی ہیں۔

شفق کا ایک اور مجموعہ ''صبح پیری کا ستارہ'' بھی ہے جو پیری کی پچاس رباعیوں پر مشتمل ہے۔ یہ مجموعہ بھی ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۳۱ء میں الناظر پریس لکھنؤ سے ہی چھپا ہے۔ اس مجموعہ کا دیباچہ شمس گیاوی نے لکھا ہے اور بتایا ہے کہ :

''مذہبی، اخلاقی، عاشقانہ شاعری کے مختلف عنوانوں پر شفق نے سینکڑوں رباعیاں لکھی ہیں اور یہ اشارہ دیا ہے کہ لکھنؤ کے پیارے صاحب رشید مرحوم کی پیری کی رباعیوں سے شفق کی یہ رباعیاں کسی طرح کم لائق التفات نہیں۔''

شفق کے ''صبح پیری کا ستارہ'' نامی مجموعہ کی رباعیوں میں ''پیری کی سحر''، ''پیری کی دوپہر''، ''گریہ پیری''، ''انقلاب پیری''، ''خیال پیری''، ''وبال پیری''، ''عصائے پیری'' اور ''ماجرائے پیری'' غرض کہ سبھی کچھ ہے، گویا شاعر نے پیری کے ایک مضمون کو اپنی رباعیوں میں سو رنگ سے نہ سہی

پچاس رنگ سے باندھ دینے کی ایک خوبصورت مثال قائم کر دی ہے اور ایک بوڑھے کے ''قد خمیدہ''، ''رعشہ و عصا'' سے لے کر اس کے ''بار اعمال'' اور ''سفر ناتوانی'' کا ایک ایک نقشہ کھینچ دیا ہے۔

شفق عماد پوری کی رباعیوں کا ایک اور مجموعہ ''خزینۂ رباعیات'' بھی ہے جو چار سو رباعیوں پر مشتمل ہے۔ یہ مجموعہ ۱۳۵۶ھ/ ۱۹۴۱ء میں شمسی پریس (گیا) سے چھپا تھا۔ یہ مجموعہ جیبی سائز میں ہے اور اس کا مقدمہ علامہ کیفی چریاکوٹی نے لکھا ہے۔ اس مجموعہ میں ''توحید و تحمید'' کے عنوان پر سولہ ''نعت'' اور ''منقبت'' کے تحت گیارہ، گیارہ ''فلسفہ و الٰہیات و سائنس'' کے تحت تیرہ ''اخلاق و تصوف'' کے تحت سترہ، پھر ''دل'' کے تحت ۳۳ ''دنیا'' کے تحت ۱۶ ''ہستی کے تحت ۴۳ ''جوانی'' کے تحت ۹ ''پیری'' کے تحت ۳۸ ''فنا و بقا'' کے تحت ۲۰ ''جاڑا گرمی برسات'' کے تحت ۳۵ ''روزے اور عید'' کے تحت ۱۶ ''عشرہ محرم'' کے تحت ۲۱ ''قومی یکجہتی'' کے تحت ۱۱ ''تخیل خیام'' کے تحت ۱۵ ''ساقی'' کے تحت ۲۵ ''حسن و عشق'' کے تحت ۱۶ ''مکالمے'' کے تحت ۱۹ ''ضرب المثل'' کے تحت ۱۲ ''اخلاق و نصائح'' کے تحت ۶ ''آپ بیتی'' کے تحت ۸ رباعیاں درج ہیں۔ ظاہر ہے کہ مذکورہ وضاحت کے بعد موضوعاتی تنوع کے بارے میں مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں رہ جاتی ہے۔

شفق زبان و بیان پر زبردست قدرت رکھنے والے رباعی گو تھے۔ انھیں حروف کے اعداد کی نسبت لے کر

بھی مضمون میں ندرت لانے کا خاص ملکہ تھا اور چونکہ وہ علم حدیث وحکمت اور اپنے دور کی قومی وملکی سیاست سے بخوبی وقوف رکھنے والے فنکار تھے اور رموز شاعری سے ان کی آشنائی بے مثال تھی اس لئے ان کی رباعیوں میں فکر وفن کی ایسی کہکشاں اُتر آئی ہے جو نگاہوں کو خیرہ کر دیتی ہے اور یہ کہے بغیر چارہ نہیں رہتا کہ شفقؔ کی رباعیاں مستقل ایک کتاب کا موضوع بن سکتی ہیں۔ بیشک شفقؔ کے یہاں ''رباعی ہر ایک لعل شب تاب ہے۔'' چند رباعیاں بطور نمونہ پیش ہیں۔

اوّل یہ بتا دیتا ہے آخر ہے وہی
باطن یہ پتا دیتا ہے ظاہر ہے وہی
مصنوع سے صانع کا نشان ملتا ہے
تصویریں یہ کہتی ہیں مصور ہے وہی

☆

کس منہ سے کہوں مزے عجب ملتے ہیں
جو لطف حلاوت کے ہیں سب ملتے ہیں
آتا ہے زباں پہ جب محمدؐ اک بار
دو بار آپس میں لب سے لب ملتے ہیں

☆

حیدر کی رسول ذوالمنن کی تعریف
زہرا کی حسین کی حسن کی تعریف
اللہ نے پانچ انگلیاں دی ہیں شفقؔ
لکھتے رہو ان سے پنجتن کی تعریف

☆

دس بیس ہوں یا ہزار ٹکڑے دل کے
ہیں عشق میں بے شمار ٹکڑے دل کے
اعداد سے دل کی دال نے بھی گن کر
دامن میں چنے ہیں چار ٹکڑے دل کے

☆

اعمال کو ساتھ لے کے جانا ہی پڑا
سر پہ بارگراں اٹھانا ہی پڑا
جھکتے نہ تھے جو خدا کے در پر بھی انھیں
پیری کے قدم پر سر جھکانا ہی پڑا

☆

زیور سے علم وفن کے عاری ہے اگر
گویا مٹی کا اک پتلا ہے بشر
گوہر ، الماس ، لعل ، نیلم ، یاقوت
جوہر جو نہ ہوں یہ سب ہیں کنکر پتھر

☆شفقؔ رضوی عماد پوری کی دیگر تصانیف :

(۱) فریاد خلافت
خلافت کے جلسوں میں پڑھنے اور تقسیم کرنے کے قابل کتاب۔

(۲) استغاثہ
جذبات اسلامیہ سے قلب مسلم کو تڑپا دینے والی کتاب کلام

(۳) مسدس
خوشنما جیبی تقطیع جلی قلم قابل دید

(۴) گلدستۂ احرار
ترکان احرار کے شاندار فتوحات ، اسیرانِ احرار کے قومی خدمات پر دلکش و دلپذیر جذبات کا اظہار کرنے والی کتاب ہے۔ اس کتاب میں سیف الاسلام غازی مصطفےٰ کمال پاشاہ کے کارنامے منظوم درج ہیں۔ اس کتاب میں مندرجہ ذیل رباعیات ہیں۔

جینا ہوا راہ حق میں مرنا ترکو
زندہ رہو مل گیا سمرنا ترکو
پھولو پھلو ، اور شاد آباد رہو
راس آئے بگڑ کے پھر سنورنا ترکو

☆

صد شکر مثال بدر چمکا ہے ہلال
صد شکر کمالیو! مبارک ہو کمال
اے ترک! بتاج و تخت و بلند
مالت بہ عروج باد و خصمت پامال

☆

دشمن کا شکست نے نصیبا الٹا
قسمت نے ورق ہی اس کا گویا الٹا
تدبیر کی کچھ بساط ایسی الٹی
تقدیر نے یونان کا تختا الٹا

☆

مہدی کوئی ہوسکا نہ پیدا اب تک
سامان کوئی غیب سے نہ ہوگا کب تک
اُترے گا مسیحیوں کے سر سے نہ غرور
اُتریں گے نہ چرخ سے مسیحا جب تک
(یہ رباعی ذوقافتین صنعت میں ہے۔)

☆ماحصل :

شفقؔ رضوی عماد پوری نے متعدد موضوعات پر رباعیات تخلیق کی ہیں اور رباعی گوئی میں مہارت حاصل کر کے ادب میں اپنا مقام بلند کیا ہے۔ شفقؔ رضوی عماد پوری کی رباعیات نہ صرف فن کی کسوٹی پر پوری اُترتی ہیں بلکہ ان میں حسن و جمال بھی بھرپور نظر آتا ہے۔ بہار کے رباعی گو شعراء میں شفقؔ رضوی عماد پوری کا نام صدیوں تک روشن رہے گا۔

☆کتابیات :

+ فن شاعری۔ علامہ اخلاق حسین دہلوی
+ رباعی (ایک عروضی مطالعہ)۔ عظیم الرحمٰن
+ علم عروض اور اردو شاعری۔ ڈاکٹر محمد اسلم ضیاء
+ بہار میں اردو زبان وادب کا ارتقاء۔ اختر اورینوی
+ تاریخ صوبۂ بہار۔ شاد عظیم آبادی
+ تاریخ ادبِ اردو۔ نورالحسن نقوی
+ تاریخ ادبِ اردو۔ گیان چند جین

☆☆☆

اعلیٰ تعلیم کا معیار اور عملی تحقیق

ڈاکٹر ابراہیم جاگیردار
عابدہ انعامدار سینئر کالج پونہ موبائل : 9209194303
ibrahimjagirdarpune@gamil.com

☆ خلاصہ (Abstract)

آج کے ترقی یافتہ دور میں ہم نے جہاں چاند، ستاروں پر کمندیں ڈالی ہیں وہیں فضاؤں اور سمندروں کے رخ پر تسخیر حاصل کرنے کی کوشش کی تو کہیں مائیکرو، میکرو، نینو اور بائیوٹیکنالوجی پر اپنی دسترس حاصل کرلی۔ پھر بھی ہم ماضی کے تہذیبی خلاء کو پُر کرنے سے آج بھی قاصر ہیں کیونکہ دنیا کی ہر تہذیب وتمدن اور معاشرت صدیوں کے تجربات، حادثات اور واقعات کے نتیجہ میں کمال کو پہنچتی ہے۔

آج وہی قومیں دنیا پر حکمرانی کررہی ہیں جنھوں نے معیارِ تعلیم کی نہ صرف منصوبہ بندی کی ہے بلکہ اسے عملی جامہ بھی پہنایا۔ کیونکہ معیارِ تعلیم کا مسئلہ ہمارے دیہی علاقوں میں مسلسل پھیلتا جارہا ہے اور جب تک ہم اس مسئلے کو سنجیدگی سے حل نہیں کرلیتے اس وقت تک ہم اپنے ملک کو معیاری نسل فراہم نہیں کرسکتے اور نہ ہی ہمارے ملک کی تعلیمی بنیادوں کو مضبوط کرسکتے ہیں کیونکہ وہی ممالک ترقی یافتہ ہیں جنھوں نے معیارِ تعلیم پر خصوصی توجہ دی ہے۔ جاپان ہو یا امریکہ، فرانس ہو یا جرمنی یا انگلستان انھوں نے اپنی نسلوں کو جدید تعلیم سے آراستہ کیا ہے۔ جاپان کے لوگ ایماندار، مستقل مزاج اور تعلیم حاصل کرنے کے خواہاں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں کی ہر چیز معیاری ہے جن کی مانگ دنیا کے تمام بازاروں میں آج بھی قائم ہے اور اس کامیابی کا راز صرف اور صرف معیاری تعلیم ہے۔ اس چھوٹے سے ملک میں ساڑھے سات ہزار یونیورسٹیز ہیں جبکہ ہمارے ملک ہندوستان میں صرف ساڑھے چار سو یونیورسٹیز ہیں۔ چاہے آپ کے پاس کتنا ہی مال کیوں نہ ہو، اگر آپ کے پاس معیارِ تعلیم کا فقدان ہو تو آپ ہمیشہ پچھڑے ہوئے تسلیم کئے جائیں گے۔ اس کی سب سے اچھی مثال ان ۵۲/ممالک کی ہے جن کے پاس بے شمار پٹرول، سونا اور دیگر معدنیات کے خزانے ہیں لیکن ان ۵۲/ممالک کے پاس ۵۰۰/یونیورسٹیز بھی نہیں ہیں اور ہمارے ملک ہندوستان جسے ہم دنیا کے سپر پاور ممالک میں شمار کرتے ہیں ہمارے پاس بھی صرف چار سو یونیورسٹیز ہیں تو آپ اس بات سے بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ملک کی ترقی میں اعلیٰ تعلیم کی کتنی اہمیت ہے۔

☆ اعلیٰ تعلیم کا معیار اور عملی تحقیق :

ہمارے معاشرے میں ایک طرف تعلیم یافتہ افراد کی کثرت ہے تو دوسری طرف قابل افراد کا فقدان۔ بے شمار اساتذہ لیکن قابل اساتذہ کمیاب۔ تعلیمی اداروں کی تعداد میں اضافہ تو تعلیمی معیار میں گراوٹ۔ یہی ہماری تعلیمی ترقی کی حقیقت ہے۔ دن بہ دن ہمارا معیارِ تعلیم گرتا جارہا ہے۔ طلباء میں اخلاقی فقدان ہے، تعلیم کا معیار گرتا جارہا ہے۔ نصاب کی تکمیل سے فائل تو بھری ہے لیکن طلباء کے ذہن خالی ہیں۔ پہلے یہ بیماری صرف ضلع پریشد اور کارپوریشن تک ہی محدود تھی لیکن اب یہ بیماری پرائیویٹ اسکولوں تک پہنچ گئی ہے اور ان کے تعلیمی معیار کی یہ حالت ہوتی ہے کہ گریجویشن میں آنے تک وہ اپنی مادری زبان کا املا تک صحیح نہیں لکھ سکتے تو دیگر زبانوں میں ان کے معیارِ تعلیم کا ہم بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ کس حد تک زوال پذیر ہیں۔

مشہور مفکر جان وولف نے کہا ہے :

"The decline of literature indicates the decline of a Nation."

یعنی ''ادب کا زوال قوم کے زوال کی نشانی ہے۔''

ذرا سنجیدگی سے اس مسئلے پر غور کیجئے کہ ماضی میں ایسے اسکول وکالج ہوا کرتے تھے جہاں مہذب، باکردار اور باصلاحیت طلباء تیار ہوتے تھے، جنھوں نے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوکر نہ صرف قوم وملت کا نام روشن کیا بلکہ آنے والی نسلوں کے لئے وہ مشعل راہ ثابت ہوئے۔ اسکول وکالج آج بھی وہی ہیں صرف اساتذہ تبدیل ہوئے ہیں۔ اب یہ نئے اساتذہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ ماضی میں قائم کردہ معیار کو نہ صرف قائم کریں بلکہ اس میں اضافہ کریں، جیسے جارج برنارڈ شاہ جو کہ انگریزی زبان وادب کا مشہور ادیب اور مفکر ہے اس نے شیکسپیئر سے اپنا موازنہ کرتے ہوئے یہ الفاظ ثبت کئے ہیں :

"He was a taller man than me, I stand on his shoulder."

شیکسپیئر نے اپنے زمانے میں انگریزی زبان کو جہاں پایا تھا، اس نے اپنی کوششوں سے اس میں مزید اضافہ کیا۔ یہاں تک کہ اس کو ترقی کے ایک نئے مرحلے میں پہنچا دیا۔ شیکسپیئر کے بعد سیکڑوں اہل قلم پیدا ہوئے جو اس کو مزید آگے بڑھاتے رہے۔ حتی کہ زبان ایک اعلیٰ ترقی یافتہ مرحلے میں پہنچ گئی، پھر برنارڈ شاہ کو موقع ملا، پھر اس نے اپنی قلمی جدوجہد کا آغاز کیا۔ اگر برنارڈ شاہ کے پیش روؤں نے اس کے لئے کندھا فراہم نہ کیا ہوتا تو برنارڈ شاہ کے لے ناممکن تھا کہ وہ ادبی ترقی کے اس مقام تک پہنچے جہاں وہ اپنی کوششوں سے پہنچا۔

یہی اصول زندگی کے تمام معاملات میں جاری وساری ہے۔ جب پچھلے اساتذہ اپنی ابتدائی منزلیں طئے

کر چکے ہوں، اسی وقت یہ ممکن ہے کہ بعد کے اساتذہ آگے کی منزلوں پر اپنا سفر جاری کریں۔ اگر پچھلے اساتذہ نے اپنے حصے کا کام مکمل نہ کیا ہو تو آگے آنے والے اساتذہ کو آگے کی بجائے پیچھے سے یعنی املے سے اپنا سفر شروع کرنا پڑے گا کیونکہ سفر ہمیشہ وہاں سے شروع ہوتا ہے جہاں آپ کھڑے ہوئے ہوں، نہ کہ وہاں سے جہاں آپ پہنچنا چاہتے ہوں کیونکہ عملی نتیجہ صرف عملی کاموں کے ذریعہ پیدا کیا جاسکتا ہے، الفاظ کی کھیتی سے عمل کی فصل کاٹی نہیں جاتی۔ معیارِ تعلیم کی پستی ہمیں دعوتِ فکر دیتی ہے۔ ہمیں اپنی آنے والی نسلوں کو جدید چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے قابل بنانا ہے۔ سب سے پہلے طلباء کو معیاری تعلیم سے آراستہ کرنا چاہئے اور ساتھ ہی ساتھ انھیں اپنی مذہبی اقدار سے بھی روشناس کرانا چاہئے تا کہ ایک طالبہ ایک مثالی بیٹی، بیوی اور ماں بن سکے اور ایک طالب علم ایک مثالی بیٹا، شوہر اور باپ بن کر نہ صرف معاشرہ و ملک بلکہ ساری دنیا کو اپنے خلوص، اخلاق و کردار کی خوشبو سے معطر کر سکے۔

جب بھی ہم نے کسی کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا مصمم ارادہ کیا اور خلوص دل سے منصوبہ بند جدوجہد کی تب ہم نے دنیا کی تاریخ میں ایک روشن باب کا اضافہ کیا اور آج ہمارا شایانِ شان ماضی ہمیں سنہرے مستقبل لکھنے کی تحریک دے رہا ہے۔ ہم ہی نے دنیا کو ریاضی و عمرانیات سے آراستہ کیا تھا۔ ہم نے ہی علمِ کیمیا و علمِ جغرافیہ سے دنیا کو پیراستہ کیا تھا۔

ہمارے اساتذہ میں صلاحیت کی اتنی کمی نہیں جتنی مستقل ارادے کی کمی ہے۔ اکثر لوگوں میں صلاحیت پوری طرح موجود ہوتی ہے مگر اس کا فائدہ وہ صرف اس لئے نہیں اٹھا پاتے کہ وہ استقلال کے ساتھ دیر تک جدوجہد نہیں کر سکتے، کامیابی کے لئے لمبی جدوجہد ضروری ہے جبکہ آج ہمارے اساتذہ کا استقلال صرف شکشن سیوک کی مدت تک ہی برقرار رہتا ہے جبکہ اساتذہ کو قوم کا معمار تسلیم کیا جاتا ہے اور اگر واقعی اساتذہ قوم کی تعمیر کرنا چاہتے ہیں تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ آپ شاہِ بلوط کا درخت اُگانے کے لئے اٹھے ہیں، نہ کہ ککڑی کی بیل۔ یہ ایک ایسا کام ہے جو لازمی طور پر طویل منصوبہ بندی چاہتا ہے جسے مختصر مدت میں حاصل نہیں کیا جاسکتا۔

اساتذہ کا پیشہ جتنا مقدس ہے اُتنا ہی بے لوث اور ذمہ داریوں سے پُر ہے ملت کی تعمیر دراصل افراد کی تعمیر کا نام ہے۔ ایک ایک طالب علم کو باشعور بنانا، ہر ایک طالب علم کی چھپی ہوئی فطری صلاحیتوں کو کھوجنا اور اس کو کامیابی پر گامزن کرنا اور ہر طالب علم میں یہ احساس پیدا کرنا کہ بغیر کسی رکاوٹ کے اپنے نصب العین کو حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کرے اور اس قسم کے عمل کا نام ملت کی تعمیر ہے اور اس تعمیر کی ذمہ داری اساتذہ کے کاندھوں پر رکھی گئی ہے۔

معیارِ تعلیم کی گراوٹ یہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے۔ دنیا کے کئی ممالک اس مسئلے سے نبرد آزما ہو چکے ہیں لیکن انھوں نے اس مسئلے کو سنجیدگی سے لیا اور منصوبہ بند طریقے سے اس پر مسلسل عرق ریزی و جدوجہد کی اور کئی یونیورسٹیوں کے اساتذہ، ماہرین تعلیم اور ماہرین نفسیات یکجا ہو کر اس مسئلہ کا حل تلاش کرنے میں کامیاب ہوئے۔

۱۹۳۰ء میں جب معیارِ تعلیم کی پستی کا مسئلہ امریکہ میں درپیش آیا تب کولمبیا یونیورسٹی آف امریکہ کے پروفیسر ڈاکٹر اسٹیفن کورے نے سیئنے سوٹا یونیورسٹی میں ایک کانفرنس منعقد کی، جس میں کرٹ لیون، جان ڈیوی اور کئی مشہور پروفیسرس اور ماہرین تعلیم نے شرکت کی۔ معیارِ تعلیم کو کیسے پروان چڑھایا جائے۔ اس بات پر سب نے اپنی اپنی آراء اور تجاویز پیش کیں۔ پھر بحث و مباحثے کے بعد عملی تحقیق (Action Research) کے اصول مرتب کئے گئے جو معیارِ تعلیم کو بلندی پر پہنچانے کا بہترین ذریعہ ثابت ہوئے۔ عملی تحقیق کی ابتدا ۱۹۳۰ء میں امریکہ میں ہوئی اور عملی تحقیق کے خالق ہونے کا اعزاز ڈاکٹر اسٹیفن کورے کو ہے۔

دراصل عملی تحقیق کی بہترین تجربہ گاہ کلاس روم ہے اور استاد اس کلاس کا محقق ہوتا ہے۔ عملی تحقیق ایک ایسا عمل ہے کہ تدریس کے دوران آنے والے مسائل کو استاد خود مختلف طریقوں سے حل کرنے کی جوسرگرمی انجام دیتا ہے اسے عملی تحقیق کہتے ہیں۔

☆ ماحصل :

عملی تحقیق کے چار بہت ہی اہم مراحل ہوتے ہیں جو اساتذہ کے لئے معیارِ تعلیم کو بلند کرنے میں جادوئی چھڑی ثابت ہو سکتے ہیں کیونکہ استاد بچوں کی نفسیات سے بخوبی واقف ہوتا ہے اور وہ کلاس کے ہر طالب علم کے عیوب و محاسن سے اچھی طرح آگاہ ہوتا ہے۔ وہ طالب علم کی کمزوری کو کھوج کر اسے دور کرنے کے لئے مختلف طریقے اپناتا ہے اور مسلسل کوشش کرتا رہتا ہے جب تک اسے کامیابی میسر نہیں آتی، اس وقت تک وہ اس کمزوری کو دور کرنے کے لئے منصوبہ بندی کرتا ہے اور اسے عملی جامہ پہناتا ہے اور اس کا بہت باریکی سے مشاہدہ کرتا ہے پھر وہ کسی حد تک اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کر لیتا ہے۔ اگر اساتذہ عملی تحقیق کے ان چار اہم اصولوں پر عمل کرتے ہیں (منصوبہ بندی، مشاہدہ، فیڈ بیک) تو یقیناً کامیابی ان کے قدموں میں ہوگی جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے کیونکہ عملی تحقیق طلباء کے لئے جتنی فائدہ مند ہے، اس سے کہیں زیادہ اساتذہ کی شخصیت سازی، خود اعتمادی اور ان کی تعمیری تربیت میں اہم رول ادا کرتی ہے۔

☆☆☆

پیاز۔ورقیوں میں قدرت کی صنّاعی

● ڈاکٹر رفیع الدین ناصر
(قومی اعزاز یافتہ ٹیچر)
صدر شعبہ نباتات
مولانا آزاد کالج اورنگ آباد
موبائل : 9422211634

☆ **مختلف نام** : پیاز کو انگریزی میں Onion' اردو ،ہندی، پنجابی میں پیاز، مراٹھی اور گجراتی میں کاندا، فارسی کورنہ وعربی میں بصل اور قرآنی نام بصل ہے۔ اس کا سائنسی نام *Allium cepa* Linn. ہے۔اس کا خاندان Liliaceae ہے۔

☆ **قرآن شریف میں تذکرہ** : قرآن شریف میں پیاز کا ذکر اس ضمن میں موجود ہے کہ بنی اسرائیل نے صحرائے سینا میں منّ وسلویٰ سے تنگ آ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ خداوند تعالیٰ سے زمین کی دوسری پیداوار کے ساتھ پیاز کی فراہمی کی دعا کریں۔اس کا تذکرہ سورہ بقرہ میں آیت نمبر ۶۱ میں اس طرح کیا گیا ہے کہ (ترجمہ) ''اور جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ! ہم سے ایک (ہی) کھانے پر صبر نہیں ہوسکتا تو اپنے رب سے دعا کیجئے کہ ترکاری اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز (وغیرہ) جو نباتات زمین سے اُگتی ہیں ہمارے لئے پیدا کر دے انہوں نے کہا کہ بھلا عمدہ چیزیں چھوڑ کر ان کے عوض ناقص چیزیں کیوں چاہتے ہو؟ (اگر یہی چیزیں مطلوب ہیں) تو کسی شہر میں جا اترو وہاں جو مانگتے ہو مل جائے گا، اور (آخرکار) ذلت (اور رسوائی) اور محتاجی (و بے نوائی) ان سے چمٹا دی گئی اور وہ اللہ کے غضب میں گرفتار ہوئے یہ اس لئے کہ وہ اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے تھے اور (اس کے) نبیوں کو ناحق قتل کر دیتے تھے (یعنی) یہ اس لئے کہ نافرمانی کئے جاتے اور حد سے بڑھے جاتے تھے۔''(۶۱)

☆ **پیاز کی پہچان** : پیاز ایک عام کاشت کی جانے والی سبزی ہے، جس میں اصل پیاز جو تنے کا حصہ ہوتی ہے وہ زیر زمین ہوتی ہے، اس کے نچلے حصے میں ریشے دار جڑیں ہوتی ہیں، اس کی پتیاں زمین سے اپری جانب ایستادہ ہوتی ہیں، جن کے سرے پر سفید رنگ کے پھول لگتے ہیں جو چھتری نما شکل میں موجود ہوتے ہیں۔ زیر زمین پھولی ہوئی ساخت کو پیاز کہا جاتا ہے جو ورقیوں پر مشتمل ہوتی ہیں اس کی پتیاں اور پیاز دونوں بھی ترکاریوں میں اور

سلاد میں استعمال ہوتے ہیں۔ پیاز کا پودا جب پک جاتا ہے تو اس کو کالے رنگ کے بیج لگتے ہیں جن کو زمین میں بو کر نئی فصل حاصل کی جاتی ہے۔

☆ **پیاز کی دستیابی** : ملک بھر میں پیاز کو کاشت کیا جاتا ہے۔ لیکن مہاراشٹر میں ناسک ضلع میں اس کی کاشت وسیع پیمانے پر کی جاتی ہے۔آج کل اس کے مختلف اقسام پائے جاتے ہیں، جنہیں سبزی اور سلاد میں وافر مقدار میں استعمال کیا جاتا ہے۔

☆ **پیاز کے خواص** : پیاز کی تاثیر گرم ہے، اس میں مختلف اقسام کی رطوبتیں پائی جاتی ہیں۔ پیاز میں گندھک کی مقدار زیادہ ہوتی ہے۔ایک تازہ پیاز میں ۶۰ تا ۸۵ فیصد نمی ہوتی ہے جب کہ اسے سکھایا جائے تو اس میں گیارہ سے بارہ فیصد نمی اور البیومن کے مرکبات ہوتے ہیں اس میں شکر کے علاوہ نشاستہ بھی موجود ہوتا ہے۔

☆ **پیاز کے طبّی استعمال** : پیاز بلغمی کھانسی میں فائدہ مند ہے۔ ریاح کو کم کرتا ہے اور بواسیر کے لئے سودمند ہے۔ اس کا بہت عام استعمال لو لگنے سے بچاؤ کے لئے کیا جاتا ہے، اس کے لئے پیاز کا عرق بہت استعمال کیا جاتا ہے۔ پیاز کا پانی نکال کر اگر کانوں میں ٹپکایا جائے تو میل پیدا نہیں ہوتا، درد دور ہوتا ہے، سوزش کی وجہ سے سرخی آ گئی ہو تو اسے کم کرتا ہے، سماعت کو بہتر کرتا ہے۔ پیاز کی گٹھی میں سلائی ڈبو کر اسے بار بار آنکھوں میں لگایا جائے تو اس سے موتیا اترنے نہیں پاتا۔ پیاز کو پکا کر برائے راست استعمال کرنے سے یرقان، پرانی کھانسی، سینے کی جلن، بلغم کے انجماد میں فائدہ ہوتا ہے، اسے کھانے سے پیشاب بار بار آتا ہے اور پیٹ کو نرم کرتا ہے۔

پیاز کو سونگھنے، کھانے بلکہ پاس رکھنے سے بھی وبائی امراض سے نجات ملتی ہے۔ یہ متلی کو روکتا ہے۔ سفید پیاز کی بہ نسبت سرخ پیاز کے طبی فوائد زیادہ ہے، اس کے عرق کو دو گنے شہد کے ساتھ ملا کر قوام بنائیں اس قوام کو نو ماشہ روزانہ کھانے سے جنسی کمزوری رفع ہوجاتی ہے، پیاز کا تازہ رس بدن پر ملنے سے لو کا اثر کم ہوجاتا ہے۔ بچوں کے گلے میں پیاز چھیل کر اس کا ہار بنا کر پہنانے سے موسم گرما میں لو نہیں لگتی۔ پیاز کا عرق جانوروں کے ڈنک اور بچھو کے کاٹے پر لگانے سے آرام جاتا ہے۔ پیاز کو بھون کر لگائیں یا کھائیں دونوں صورتوں میں سکون آور ہے، بھنا ہوا پیاز پھوڑوں پھونسیوں پر لگانے سے وہ پک جاتے ہیں، اگر وہ ابتدائی مرحلے میں ہو تو بیٹھ جاتے ہیں۔ اختناق الرحم (ہسٹریا) اور مرگی کے مریضوں کو ہوش میں لانے کے لئے پیاز کو کوٹ کر سنگھانے سے فائدہ ہوتا ہے، اس کے سونگھنے سے سر درد جاتا ہے اور زکام کی شدت میں کمی ہوتی ہے، نکسیر کو بند کرنے میں پیاز کے پانی کی نسوار لینا مفید ہوتا ہے۔ پیاز کو سرکہ میں پکا کر یرقان، تلی بڑھنے اور ملیریا یا بخار میں بے حد اچھے اثرات کے لئے دیا جاتا ہے۔ پیاز کے بے شمار فائدے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے پیاز اور لہسن کے کھانے کے بارے میں حکم دیا کہ اگر کھانا ہی ہو تو پکا کر کھایا جائے۔(ابوداؤد)

☆☆☆

اُردو ٹی وی چینلز کے مثبت پہلو

سراج انور محمد میراں
(ریسرچ اسکالر)
شعبۂ اردو ، سوامی رامانند تیرتھ مرہٹواڑہ یونیورسٹی ناندیڑ
(مہاراشٹر) موبائل : 9021745378

☆ **خلاصہ (Abstract)**

ٹی وی کے مثبت ومنفی دونوں قسم کے اثرات انسانی زندگی پر مرتب ہوتے ہیں۔ اس مختصر مضمون میں اردو ٹی وی چینلز کے مثبت اثرات پر گفتگو کی گئی ہے۔

☆ **تعارف (Introduction)**

الیکٹرانک میڈیا اور اردو زبان کا ساتھ چولی دامن کا ہے۔ سنیما کے آغاز سے ہی ہندوستان کی فلم انڈسٹری میں اردو زبان بنیادی حیثیت کی حامل رہی ہے۔ مکالموں سے لے کر نغموں تک تمام شعبوں میں اردو زبان غالب رہی۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ ہندوستانی سنیما اور اردو ایک جان دو قلب ہیں۔

☆ **اردو ٹی وی چینلز کے مثبت پہلو :**

یہ بات جگ ظاہر ہے کہ ہندوستان میں ٹیلی ویژن کی ابتدا ایک اہم مقصد کے لئے ہوئی تھی۔ ابتدائی عہد میں نشر ہونے والے پروگراموں میں اس کا مکمل پاس ولحاظ بھی رکھا جاتا تھا۔ جدیدیت کا اس قدر غلبہ نہیں تھا اس وجہ سے گاؤں محلّہ اور خاندان کے تمام لوگ چھوٹے بڑے اور مرد وعورت سب ایک ساتھ بیٹھ کر پروگرام دیکھتے تھے۔، لوگوں کی دلچسپی پر مبنی پروگرام نشر ہوتے تھے۔ رفتہ رفتہ حالات نے کروٹ بدلی، بلیک اینڈ وائٹ کی جگہ رنگین ٹیلی ویژن نے لے لی۔ اس میں بے شمار تبدیلیاں رونما ہوئیں اور اب ڈیجیٹل ٹکنالوجی کے عہد میں ہم پہنچ چکے ہیں۔ جہاں سب کچھ اشاروں سے ممکن ہو گیا ہے۔ ٹکنالوجی کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ پروگراموں کو ایسا بنا دیا ہے کہ خاندان کے افراد ایک ساتھ بیٹھ کر ٹیلی ویژن نشریات کا مشاہدہ نہیں کر سکتے ہیں اس لئے کہ اس میں اس قدر حیا باختہ مواد کا غلبہ ہو چکا ہے کہ انسان کا سر شرم سے جھک جائے۔ اگر دوران پرو گرام تھوڑا بہت لحاظ ہو جائے تو اشتہارات کی پیش کشی کے وقت تمام حدود وقیود کو پامال کر دیا جاتا ہے۔

ایسے حالات میں اردو سیٹلائٹ ٹی وی چینلز کے سر یہ سہرا جاتا ہے کہ انہوں نے آج بھی پرانی روایت کو بہت حد تک قائم رکھا ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ اردو بولنے والے مختلف گھرانوں میں سب ایک ساتھ اردو نشریات سے لطف انداز ہوتے ہیں۔ خبروں سے لے کر مذہبی اور تفریحی پروگراموں میں ہندوستانی ثقافت اور روایت کا بڑی حد تک پاس ولحاظ رکھا جاتا ہے۔ ہندوستان جیسے ملک میں جہاں ٹیلی ویژن چینلوں کے درمیان مسابقہ آرائی آسمان کو چھو رہی ہے یہاں اقلیتوں، بالخصوص مسلمانوں کے مسائل کی صحیح ترجمانی اردو چینلوں کے حصے میں آتی ہے۔ ۱۵/اگست ۲۰۰۱ء میں آسمان اردو پرا ی ٹی وی اردو کے نام سے ایک نیا ستارہ طلوع ہوا جس نے پوری دنیا کو روشن وجگمگ کر دیا۔ اردو علاقوں میں اس کا خوب جشن منایا گیا۔ اس عظیم کارنامہ کا سہرا رامو جی رانا کے سر جاتا ہے۔ ہندوستانی سرزمین کا پہلا مکمل اردو چینل ہونے کا شرف ای ٹی وی اردو کو حاصل ہے۔ ای ٹی وی اردو کے بعد ۱۵/اگست ۲۰۰۶ء میں حکومت ہند کی طرف سے وزارت اطلاعات ونشریات کے زیر اہتمام ڈی ڈی اردو کا منموہن سنگھ کے ہاتھوں آغاز ہوا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے زی گروپ نے ''زی سلام'' سہارا گروپ نے ''عالمی سہارا'' منصف گروپ نے ''منصف ٹی وی'' قومی سطح پر شروع کئے۔ مذکورہ سارے ٹی وی چینل اردو ناظرین کے لئے نوع بنوع کے سیاسی، سماجی، ثقافتی، مذہبی، تعلیمی اور موسیقی و دیگر قسم کے پروگرام پیش کرتے ہیں۔

سرکاری وغیر سرکاری چینلوں میں مختلف قسم کے پروگرام کی نشریات روز مرہ کے نظام الاوقات کا حصہ ہیں۔ ہندوستان میں ٹیلی ویژن کے میدان میں نجی اور غیر ملکی چینلوں کی آمد کے ساتھ ہی ناظرین کے لئے ایک وسیع دنیا آباد ہوگئی ہے۔ اور ان کے من پسند پروگراموں کا دائرہ کافی بڑا ہو گیا ہے۔ ناظرین نہ صرف ان پروگراموں کو دیکھتے ہیں بلکہ ان سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ مختلف شعبہ حیات میں اہم جانکاری حاصل کرتے ہیں۔ اس ملک میں مختلف زبانوں میں چھوٹے بڑے اکثر ۸۰۰/ سے زائد ٹیلی ویژن چینل ہیں۔ ان میں سماج کے ہر طبقے کا خیال رکھتے ہوئے پروگرام نشر ہوتے ہیں۔ ہندوستان کی غالب اکثریت دیہات میں رہتی ہیں۔ ان کے گذر بسر کا سب سے اہم ذریعہ کاشت کاری ہے۔ اسی وجہ سے کسانوں کے لئے کاشتکاری اور زراعت سے متعلق خصوصی پروگرام نشر کئے جاتے ہیں۔ خواتین کے لئے پکوان، فیشن اور بیوٹی کے پروگرامز، تو بچوں کے لیے کارٹونس، تعلیمی پروگرامز نشر کئے جاتے ہیں ساتھ ہی مذہبی دلچسپی رکھنے والوں کے لئے کئی مذہبی پروگرامز نشر کئے جاتے ہیں۔

یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ موجودہ دور میں ٹیلی ویژن نے پورے سماج کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔ نوع بنوع ٹی وی پروگرامز ہر عمر کے ناظرین کی ضرورت بن گئے ہیں۔ اس تحقیق میں ''ہندوستانی مسلمانوں پر اردو سیٹلائٹ ٹی وی چینلز کے سماجی، ثقافتی، سیاسی اور مذہبی اثرات کا ایک تجزیاتی مطالعہ پیش کیا گیا ہے، جس کا مقصد یہ جاننا ہے کہ ملک کے اردو سیٹلائٹ ٹی وی چینلز کے پروگرامز سے مسلمانوں پر کس طرح کے سماجی، ثقافتی، سیاسی اور مذہبی اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ اس مطالعہ کے ذریعہ یہ جاننے کی کوشش کی گئی ہے کہ اردو سیٹلائٹ ٹی وی چینلز

کے ناظرین کس طرح کے پروگرام زیادہ دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ ساتھ ہی ان پروگرامز کی وجہ سے ناظرین پر کس طرح کے اثرات مرتب ہورہے ہیں اور ان اثرات کی نوعیت کیا ہے۔ اس مطالعہ سے شعبہ اشتہار کو بھی اشتہار سازی کے لئے صحیح سمت کے تعین میں رہنمائی حاصل ہوگی۔ اردو چینلوں پر کن پروگراموں میں اشتہار دینے سے اپنے مطلوبہ ہدف تک باآسانی پہنچا جاسکتا ہے۔ اس مطالعہ سے اردو چینلوں کی مقبولیت کا غیر جانبدارانہ تجزیہ ہوگا کہ کون سا چینل عوام میں زیادہ مقبول ہے اور ناظرین کس وقت کس نوعیت کا پروگرام دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ اس سے یقیناً چینل کے ذمہ داران کو پروگرام کے نشریاتی چارٹ بنانے میں مدد ملے گی۔

اس میں کوئی دورائے نہیں کہ ٹیلی ویژن ایک بے جان آلہ ابلاغ وترسیل ہے اس کا استعمال مفید اور غیر مفید دونوں طرح کے کاموں کے لئے کیا جاسکتا ہے۔ اس کے ذریعے تعمیری اور تخریبی دونوں طرح کے کام لئے جاسکتے ہیں۔ جہاں یہ عوام الناس تک خبریں پہنچانے کا اہم ذریعہ ہے وہیں اسکے ذریعہ معلوماتی تفریحی سیاسی اور مذہبی پروگرام بھی پیش کئے جاتے ہیں تاکہ لوگ فرصت کے لمحات میں بیٹھ کر کچھ تفریح طبع کرلیں۔ طلباء کی رہنمائی کے ایک سے ایک تعلیمی پروگرام نشر کئے جاتے ہیں تاکہ انہیں دیکھ کر طلباء کے ذہن کے شکوک وشبہات دور ہوں اور وہ باتیں جو وہ کلاس روم میں نہیں سمجھ سکے تھے یہاں باآسانی سمجھ جائیں۔

خواتین کسی بھی سماج میں بنیادی اکائی کی حیثیت رکھتی ہیں۔ انہیں براہ راست ٹیلی ویژن سے جوڑنے کے لئے بہت سے گھریلو امور سے متعلق پروگرام پیش کئے جاتے ہیں جو صرف خواتین کے ذوق وشوق کی تسکین کے لئے ہی نہیں ہوتے بلکہ بیشمار پروگرام ان کی تربیت اور رہنمائی کے لئے بھی ہوتے ہیں۔ جیسے صحت اور تندرستی، کھانا خزانہ، فیشن، گھریلو امور سے متعلق پروگرام وغیرہ، کاشت کاری ہر ملک کی ریڑھ کی ہڈی ہوتی ہے۔ بالخصوص ہندوستان جس کی آبادی کی غالب اکثریت دیہات میں رہنے والی ہے اوران کے گذر بسر کا ذریعہ یہی کاشت کاری ہے۔ اتنی آبادی کو کیسے فراموش کیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا کسانوں کی رہنمائی اوران کی تربیت کے لئے ان چینلوں پر خصوصی پروگرام نشر کئے جاتے ہیں۔ گویا یوں کہا جاسکتا ہے سماج کے ہر طبقہ ہر عمر اور ہر مکتب فکر کو مدنظر رکھتے ہوئے اردو سیٹلائٹ ٹی وی چینلز پروگرام تیار کئے جاتے ہیں اور نشر کئے جاتے ہیں۔ ہمارے ملک میں ٹیلی ویژن کی مقبولیت میں روز بہ روز اضافہ ہورہا ہے۔ لوگ اب جدید ٹکنالوجی کی سہولیات سے مستفید ہونا چاہتے ہیں۔ ملک کی ایک بہت بڑی آبادی اپنے گھروں پر سٹیلائٹ ٹی وی رکھتی ہے، ڈش اور کیبل نیٹ ورک کی آمد سے اس میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔ اس کے ذریعہ جہاں لوگ ملکی چینلوں کا باآسانی مشاہدہ کرسکتے ہیں وہیں غیر ملکی چینلوں کو دیکھ سکتے ہیں۔

ہندوستان اپنی آبادی اور رقبہ کے لحاظ سے ایک وسیع و عریض ملک ہے۔ ہر ریاست کی مادری زبان اور تہذیب الگ ہے۔ ہندی اگرچہ ہماری قومی زبان ہے لیکن ملک کی تمام ریاستوں میں اسے یکساں طور پر بولا نہیں جاتا۔ ہندی کے ساتھ ساتھ انگریزی کو تعلیم یافتہ طبقوں میں خاصی مقبولیت حاصل ہے۔ اردو کو ہندوستان میں دوسری سرکاری زبان ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہاں تقریباً بیس ملین سے زیادہ لوگ اردو زبان بولتے اور سمجھتے ہیں۔ یہی وہ زبان ہے جس نے آزادی کے وقت سب سے پہلے انقلابی نعرہ ''انقلاب زندہ باد'' دیا۔ جنگ آزادی کی تاریخ میں اردو کے قائدانہ کردار کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ اردو صحافت نے عوامی بیداری اور لوگوں کے دلوں میں آزادی کی جوت جگانے میں جو غیر معمولی کردار ادا کیا ہے دنیا اسے کبھی بھلا نہیں سکتی۔ آزادی سے قبل اردو اس ملک کی سب سے مقبول اور عوامی ابلاغ وترسیل کی زبان تھی۔ لیکن آزادی کے بعد تقسیم وطن کے سانحہ نے اردو کو مسلمان بنادیا جس سے اس کی عوامی مقبولیت اور حیثیت میں کافی زوال آیا۔ سرکاری سطح پر اگرچہ اردو کو دوسرے مقام پر رکھا گیا لیکن اس کے باوجود اس کے ساتھ ہر طرح کا سوتیلا سلوک بھی روا رکھا گیا۔

مشہور ومعروف مبلغ اسلام ڈاکٹر ذاکر نائک نے پیس ٹی وی کے اردو ورژن کا آغاز کرکے ناظرین کے مذہبی ذوق کی تسکین کے لئے ۲۴ گھنٹہ مختلف موضوعات پر مذہبی پروگرام نشر کرنا شروع کئے تھے۔

☆ **ماحصل :**

ہندوستانی مسلمان اردو چینلوں میں ای ٹی وی اردو، زی سلام، ڈی ڈی اردو، عالمی سہارا اور منصف ٹی وی خصوصیت کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ ان چینلوں کی اہمیت وافادیت اوران کے ذریعہ مرتب ہونے والے اثرات پر اب تک جتنی بھی تحقیق ہوئی ہے ان کی اہمیت اپنی جگہ ہے لیکن ہندوستانی مسلمانوں کو مدنظر رکھ کر ان اردو چینلز کے سماجی، ثقافتی، سیاسی اور مذہبی اثرات کو جانچنے اور پرکھنے کی کوئی قابل ذکر کوشش نظر سے نہیں گذری ہے۔ مذکورہ اردو چینلوں کے مشاہدہ سے مسلمانوں کے ذہن و دماغ اور بالخصوص ان کے سماجی۔ ثقافتی، سیاسی اور مذہبی زندگی میں کیا کیا اثرات مرتب ہورہے ہیں۔ ساتھ ہی اس تحقیق کے ذریعہ ان کے سماجی، ثقافتی، سیاسی اور مذہبی رجحان کا بھی پتہ لگایا جاسکتا ہے۔

☆ **کتابیات**

(۱) ریڈیو اور ٹیلی ویژن میں ترسیل وابلاغ کی زبان ۔ ڈاکٹر کمال احمد صدیقی
(۲) عوامی ترسیل ۔ اے کے چٹرجی
(۳) ابلاغیات ۔ ڈاکٹر محمد شاہد حسین
(۴) براڈ کاسٹنگ ۔ رفعت سروش
(۵) ٹیلی ویژن نشریات تاریخ تحریر تکنیک۔ انجم عثمانی

☆☆☆

برمحل اشعار اور ان کے ماخذ

دسویں قسط

خلیق الزماں نصرت (بھیونڈی)
موبائل : 9923257606

فدوی

چل ساتھ کہ حسرت دلِ مرحوم سے نکلے
عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے
(گلشنِ بے خار، ص ۲۷۵)

نام مرزا محمد علی فدوی تھا۔ انہیں مرزا بھجّو کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ شاہ جہاں آباد کے تھے۔ احمد شاہ کے وقائع نگار تھے۔ ان کی پیدائش شاہ جہاں آباد میں ہوئی، عظیم آباد میں آکر بس گئے تھے۔ رکن الدین عاشق کے شاگرد ہوئے۔ فدوی کے شاگردوں میں راسخ عظیم آبادی کا نام بڑا اہم ہے۔ راسخ نے میر سے بھی اصلاح لی تھی۔ ۱۷۹۵ء کو انتقال کر گئے۔

آفتاب

عاقبت کی خبر خدا جانے
اب تو آرام سے گذرتی ہے
(گلشنِ بے خار، ص ۱۵) (تذکرۂ مسرت افزاء، ص ۳)

تخلص آفتاب شاہ عالم بادشاہ غازی کا ہے۔ ۱۴؍ جون ۱۷۲۸ء میں قلعہ معلّی دلّی میں پیدا ہوئے۔ بادشاہ عالم گیر ثانی کے بیٹے تھے۔ جب بادشاہ غازی تخت پر بیٹھے تبھی سے حکومت کو زوال آ گیا۔ جے پور کے وزیر جب سرکش ہوئے تو بادشاہ خود وہاں گئے اور وہاں کے معاملے کو حل کیا۔ کئی علاقوں کے وزیروں کو بدلا۔ اس کا خمیازہ ان کو بھگتنا پڑا۔ غلام قادر روہیلہ دھوکے سے ان کے علاقے اور ان کے محل میں داخل ہو گیا۔ محل کے تمام سپاہیوں کو اپنا ہمنوا بنایا اور پھر قبضہ کر لیا۔ سب کچھ لوٹنے کے بعد فرش پر گرا کر ان کی آنکھیں نکال لیں۔ مادھوجی سندھیا کی مدد سے دوبارہ تخت پر بیٹھے۔ انہوں نے شاہ عالم کے لئے نو لاکھ روپیہ کی سالانہ رقم مقرر کی۔ انگریزوں نے بھی یہ سلسلہ جاری رکھا۔ ۱۹؍ نومبر ۱۸۰۶ء میں انتقال کر گئے۔

تذکرہ مسرت افزاء ابوالحسن امیر الدین احمد امر اللہ الہ آبادی۔ خدا بخش لائبریری پٹنہ، مملوکہ نصرت

سنتوکھ رائے بیتاب

خدا کسی کو گرفتار زلف کا نہ کرے
نصیب میں کسی کافر کے یہ بلا نہ کرے
(مخزن نکات، ص ۸۵) (تذکرہ شعرائے اردو، ص ۳۹)

محبت اب تلک رکھتی ہے یہ تاثیر مجنوں کی
کہ بن لیلیٰ نہیں کھنچتی کہیں تصویر مجنوں کی
(مخزن نکات، ص ۸۴) (تذکرہ شعرائے اردو، ص ۳۸)

نہ رہے باغِ جہاں میں کبھی آرام سے ہم
پھنس گئے قیدِ قفس میں جو چھٹے دام سے ہم
(گلستان ہزار رنگ، ص ۳۷۷)
(تذکرہ شعرائے اردو، ص ۳۸)

اپنے مذہب میں ہے اک شرط طریق اخلاص
کچھ غرض کفر سے رکھتے ہیں نہ اسلام سے ہم
(جواہر سخن (۳) ص ۲۴۷)

نام سنتوکھ رائے، تخلص بے تاب تھا
قائم کے شاگرد تھے، قائم نے اپنے اس شاگرد کے ۲۵؍ اشعار منتخب کئے ہیں۔ جس میں مذکورہ درج ۳؍ اشعار بھی ہیں۔ میر نے اپنے تذکرے میں لکھا ہے ''وہ کم دماغ تھا، اس نے خلوت نشینی اختیار کر لی تھی۔ اب کہاں ہے اس کا کچھ پتہ نہیں ہے۔''

سید محمد اثر

پہلے سو بار ادھر اُدھر دیکھا
جب تجھے ڈر کے اک نظر دیکھا
(غزل نما، ص ۲۶۴)

نام سید محمد، تخلص اثر تھا، ۱۷۳۵ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد خواجہ محمد ناصر عندلیب تھے۔ اثر خواجہ میر درد کے بھائی اور شاگرد تھے، اور ان کا اثر بھی لیا۔ دیوان اثر جس کو مولانا عبدالحق نے ۱۹۳۰ء میں مرتب کیا۔ ادا جعفری لکھتی ہیں (غزل نما، ص ۲۶۲)

''خواجہ محمد اثر نجیب الطرفین سید تھے۔ والد کی طرف سے ان کا سلسلہ نسب حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ سے اور والدہ کی طرف سے حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ سے ملتا ہے.......... میر اثر کی اوائل عمری میں میر کے والد خواجہ محمد ناصر عندلیب گوشہ نشین ہو چکے تھے۔ اس لئے میر اثر کی تعلیم و تربیت میر درد کے سایہ عاطفت میں ہوئی۔ ۱۷۹۴ء میں دلّی میں وفات پائی۔

جوشش عظیم آبادی

اے بیکسی پہ ہماری نظر نہ کر
جو کچھ کہ تجھ سے ہو سکے تو درگذر نہ کر
(خمخانۂ جاوید (۲) ص ۲۹۴) (آوارہ گرد اشعار، ص ۱۲)

۱۱۵۰ھ کے قریب پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ محمد روشن عظیم آبادی نام تھا۔ تذکرہ شورش میں ذکر ہے۔ ''نظم و نثر میں استعداد ہے۔ حسن معانی اور شستگی الفاظ کلام سے ظاہر ہے اور شعراء کو اپنے کلام کا مشتاق بنایا ہے۔ درویش مزاج ہیں۔ غرور، گھمنڈ، خود پرستی اور نفسانیت نام کو نہیں۔ سب سے ملے جلے بھی اور الگ تھلگ بھی۔ ان کے دیوان میں تین ہزار کے قریب اشعار ہوں گے۔''

جوشش کے والد جسونت رائے ناگر علی وردی خان کے بڑے فوجی سپہ سالاروں میں سے تھے۔ گجراتی برہمن تھے، مگر مسلمان ہوئے۔ شیخ علی حزیں کے شاگردوں میں سے تھے۔ دیوان شائع ہو چکا ہے۔ تقریباً سبھی تذکروں میں آپ کا ذکر ہے۔

آوارہ گرد اشعار، قاضی عبدالودود، ناشر خدا بخش لائبریری۔ (جاری)

فراقؔ کی شاعری ۔ایک سرسری جائزہ

مہ ذہین شیخ (ریسرچ اسکالر)
Research Scholar :
Mehazahin Shaikh
Dept. of Urdu, Shri JJT University
Research Guide : Dr. Mukhtar Ali
Research Co-Guide :
Dr. Gulzar Ahmad Bhat

☆ خلاصہ **(Abstract)**

فراقؔ گورکھپوری کا تعلق شاعری اور نثر دونوں سے ہے۔ فراقؔ نثر نگاری میں بحیثیت نقاد مشہور ہیں اور انھوں نے تنقید نگاری پر کتابیں تحریر کی ہیں۔ اسی طرح ان کے شعری مجموعے بھی شائع ہوئے ہیں۔ انھوں نے غزلوں کے علاوہ نظمیں اور رباعیات تخلیق کی ہیں۔ فراقؔ نے بحیثیت شاعر اپنا منفرد مقام بنایا ہے۔ اس مضمون میں فراقؔ کی شاعری کا سرسری جائزہ لیا گیا ہے۔

☆تعارف **(Introduction)**

فراقؔ کا اصل نام رگھوپتی سہائے تھا۔ تخلص انھوں نے فراقؔ اپنایا اور فراقؔ گورکھپوری کے نام سے مشہور ہوئے۔ انھیں عہد ساز شاعر اور اردو ادب کا بڑا نقاد تسلیم کیا جاتا ہے۔

مستند ادیب، شاعر اور نقاد ستیہ پال آنند فراقؔ کی علمی قابلیت اور ادبی حیثیت پر لکھتے ہیں: ''پنجاب یونیورسٹی چندی گڑھ کے پوسٹ گریجویٹ ڈپارٹمنٹ آف انگلش میں میرے رفقائے کار میں ڈاکٹر مسز نرمل مکرجی بھی تھیں جو امریکہ کی کسی یونیورسٹی سے انگریزی کے ہندوستانی ناول نویس آر کے نارائن پر ڈاکٹریٹ کر کے لوٹی تھیں۔ ان سے معلوم ہوا کہ وہ الٰہ آباد میں فراقؔ گورکھپوری کی انڈر گریجویٹ کلاس میں تھیں اور ان سے ذاتی طور پر انس رکھتی تھیں۔ میں چونکہ شعبۂ انگریزی کی لٹریری سوسائٹی The Three Hundred کا پروفیسر انچارج تھا۔ میں نے انھیں اس بات پر راضی کرلیا کہ اب کے جب وہ اپنے والدین سے ملنے الٰہ آباد جائیں تو فراق گورکھپوری صاحب کو راضی کریں کہ وہ پنجاب یونیورسٹی میں ایک توسیعی لیکچر دینے کے لیے تشریف لائیں۔ ہم ٹرین سے فرسٹ کلاس کا کرایہ اور دیگر متعلقہ اخراجات کے ذمہ دار ہوں گے، ان کی رہائش کا گیسٹ ہاؤس میں بندوبست ہوگا۔ اور میں ذاتی طور پر ایک چپراسی کو ان کی خدمت کے لیے ہر وقت ان کے پاس حاضر رہنے کا انتظام کردوں گا، اور ان کے آرام کا خیال رکھنے کے لیے خود بھی موجود رہوں گا۔''

فراقؔ گورکھپوری آئے۔ آڈیٹوریم میں ان کی تقریر نے سب کو مسحور کرلیا۔ شستہ انگریزی لہجہ، اس پر ہر پانچ چھ جملوں کے بعد اردو کے (موضوع سے متعلق) ایک دو اشعار، اور پھر انگریزی میں گل افشانی۔ یہ تجربہ ہم سب کے لیے نیا تھا، کیونکہ ہم تو کلاس روم میں صرف انگریزی ہی بولتے تھے۔ ایک گھنٹہ بولنے کے بعد تھک گئے۔ میں چونکہ اسٹیج پر تھا اور وہ مجھے بطور شاعر جانتے تھے، مجھے کہا کہ جب تک وہ تھرموس سے ''پانی'' پی کر سانس لیں گے، میں کچھ سناؤں۔ میں نے اپنی ایک نظم انگریزی میں اور ایک اردو میں سنائی۔ تین چار گھونٹ ''پانی'' پینے اور دس پندرہ منٹ تک آرام کرنے کے بعد پھر تازہ دم ہوگئے۔ ایک بار پھر چالیس پینتالیس منٹوں تک بولے۔ کیا اساتذہ اور کیا طلبہ، سبھی مسحور بیٹھے تھے، کسی کو خیال ہی نہ آیا کہ کتنا وقت گزر چکا ہے۔ تب کلائی کی گھڑی کی طرف دیکھا اور کہا، ''بھائی، کوئی کھانا وانا بھی ملے گا کہ نہیں!'' اور تب طلبہ کو بھی خیال آیا کہ انہیں ہوسٹل کے میس میں

کھانے کے لیے پہنچنا ہے، جس کا وقت گزر چکا ہے۔

فراقؔ کی زندگی کا سفر 3 مارچ 1982ء کو تمام ہوا تھا۔

آنجہانی فراق گورکھپوری کے فنِ شاعری اور ان کے کلام پر کئی مضامین سپردِ قلم کیے گئے اور اردو زبان و ادب کے بڑے نقادوں نے فراق کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف کیا ہے رگھو پتی سہائے المعروف فراق گورکھپوری 28 اگست 1896ء کو منشی گورکھ پرشاد کے گھر پیدا ہوئے۔ ان کے والد بھی شاعر تھے اور عبرت تخلّص کرتے تھے۔ وہ اردو اور فارسی کے عالم اور ماہرِ قانون بھی تھے۔ فراقؔ کو اردو اور فارسی کی تعلیم گھر پر ہی دی گئی اور بعد میں فراق نے باقاعدہ مکتب میں داخلہ لیا۔ فراقؔ کو گھر میں علمی و ادبی ماحول ملا تھا جس کی وجہ سے وہ بھی شعر و ادب کی طرف متوجہ ہوگئے۔ انگریزی زبان میں ایم اے کرنے کے بعد فراقؔ نے سول سروس کا امتحان پاس کیا مگر اس سے متعلق ملازمت اختیار نہ کی بلکہ تدریس سے منسلک ہوگئے۔ ان کا مزاج ایسا تھا کہ ہفتوں کمرۂ جماعت میں داخل نہ ہوتے اور ان کی بعض ناپسندیدہ عادات نے بھی ان کی شہرت خراب کی تھی، لیکن علم و ادب کی دنیا میں بہرحال ان کی بڑی قدر کی جاتی تھی۔

☆فراقؔ کی شاعری :

فراقؔ صرف اردو ہی نہیں انگریزی ادب کا بھی وسیع مطالعہ رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اردو کو بھی اپنے تنقیدی موضوعات سے نئی راہ دکھائی اور جب ان کے مضامین کتابی شکل میں سامنے آئے تو ان کا بہت شہرہ ہوا۔ ان کی دو کتابیں اردو کی عشقیہ شاعری اور حاشیے تنقیدی مضامین پر مشتمل ہیں۔

ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی کے قول کے مطابق ''اگر فراقؔ نہ

ہوتے تو ہماری غزل کی سرزمین بے رونق رہتی، اس کی معراج اس سے زیادہ نہ ہوتی کہ وہ اساتذہ کی غزلوں کی کاربن کاپی بن جاتی یا مردہ اور بے جان ایرانی روایتوں کی نقالی کرتی۔''

فراقؔ نے ایک نسل کو متاثر کیا۔ فراقؔ نے نئی شاعری کی آب یاری میں اہم کردار ادا کیا اور حسن و عشق کا شاعر ہونے کے باوجود ان موضوعات کو نئے زاویے سے دیکھا۔ فراقؔ کو نوجوانی میں ہی شاعری کا شوق پیدا ہو گیا تھا اور 1916ء میں جب ان کی عمر 20 سال تھی، انھوں نے پہلی غزل کہی۔ ان کا کلام ادبی جرائد میں شائع ہونے لگا اور یوں ان کی شہرت کا سفر شروع ہوا۔ 18 سال کی عمر میں فراقؔ کی شادی کشوری دیوی سے کر دی گئی تھی، لیکن یہ تعلق ان کے لیے سوہانِ روح بن گیا۔ اس کے بعد والد کا انتقال ہو گیا جو فراق کے لیے کڑا وقت تھا۔ ان پر بھائی بہنوں کی پرورش اور تعلیم کی ذمہ داری آن پڑی۔ ادھر بے جوڑ شادی نے الگ انھیں توڑ کر رکھ دیا تھا۔ اسی زمانہ میں وہ آزادی کی جدوجہد میں شریک ہو گئے اور سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے 1920ء میں گرفتاری کے بعد 18 ماہ جیل میں گزارے۔ تاہم آزادی کے بعد فراق سیاست کا حصّہ نہیں رہے۔ فراقؔ کی زندگی کا ایک بڑا المیہ ان کے اکلوتے بیٹے کی سترہ سال کی عمر میں خودکشی تھا جب کہ ان کی بیوی بھی اپنے بھائی کے گھر جا بیٹھی تھی، یوں فراقؔ طویل عرصے تک تنہائی کا شکار رہے۔

ڈاکٹر یوسف صابرؔ نے اپنی تصنیف ''جدید دور کے غیر مسلم غزل گو شعراء'' میں تحریر کیا ہے :

''فراقؔ گورکھپوری نے نظمیں بھی کہی ہیں اور رباعیات بھی لیکن وہ بنیادی طور پر غزل کے شاعر تھے۔ غزل کی نشاۃ ثانیہ اور اس کی رگوں میں نئے فکر و خیال اور نئے جوش کا خون دوڑانے والوں میں فراقؔ گورکھپوری اہم ہیں۔ فراقؔ نے غزل کو ہندوستانیت کا جسم اور فارسیت کی روح دے کر ایک نئی طاقت دی۔ یہ سچ ہے کہ فراقؔ کی غزلوں کا بنیادی موضوع حسن و عشق ہی ہے لیکن ان کی غزلوں میں جسم و جمال کی بڑی دلکش اور جاندار تصویریں ملتی ہیں۔''

فراقؔ گورکھپوری نے نظمیں بھی خوب کہی ہیں۔ ہنڈولا، آزادی، پرچھائیاں، آدھی رات، شام، عیادت، جدائی اور آج کی دنیا کا شمار اردو کی بہترین نظموں میں ہوتا ہے۔ روپ فراقؔ گورکھپوری کی رباعیات کا مجموعہ ہے۔ روپ کی رباعیوں میں عورت کے جذبات کا دلکش اظہار ملتا ہے۔

فراقؔ کی شاعری کا مرکز عشق ہے اور یہ ایک نئے رنگ و روپ میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ بطورِ نمونہ چند اشعار پیش ہیں ؎

کوئی سمجھے تو ایک بات کہوں
عشق توفیق ہے گناہ نہیں

تم مخاطب بھی قریب بھی ہو
تم کو دیکھیں کہ تم سے بات کریں

ہم سے کیا ہوسکا محبت میں
خیر تم نے تو بیوفائی کی

غرض کے کاٹ دیئے زندگی کے دن اے دوست
وہ تیری یاد میں ہوں یا تجھے بھلانے میں

رات بھی نیند بھی کہانی بھی
ہائے کیا چیز ہے جوانی بھی

سنتے ہیں عشق نام کے گذرے ہیں ایک بزرگ
ہم لوگ بھی فقیر اسی سلسلے کے ہیں

ذرا وصال کے بعد آئینہ تو دیکھ اے دوست
ترے جمال کی دوشیزگی نکھر آئی

اسی کھنڈر میں کہیں کچھ دیئے ہیں ٹوٹے ہوئے
انھیں سے کام چلاؤ بڑی اداس ہے رات

کون یہ لے رہا ہے انگڑائی
آسمانوں کو نیند آتی ہے

☆ **ماحصل :**

فراقؔ نے اردو ادب کو اپنی شاعری اور تنقیدی مضامین کی صورت میں بیش بہا خزانہ دیا انھیں ایسا شاعر مانا جاتا ہے جس نے بیسویں صدی میں اردو غزل کو ایک نیا رنگ اور آہنگ عطا کیا۔ فراق نے کسی کی پیروی نہیں کی بلکہ شاعری میں ان کا اپنا ہی رنگ تھا۔ ان کے متعدد شعری مجموعے شائع ہوئے جن میں روحِ کائنات، شبنمستان، رمز و کنایات، غزلستان، روپ، مشعل اور گلِ نغمہ بھی شامل ہیں۔

اردو کے اس ممتاز شاعر اور نقاد کو بھارتی حکومت نے پدم بھوشن اور گیان پیٹھ جیسے اہم اعزازات سے نوازا ہے۔

☆ **حوالہ جات**

☆ اکاڈمی دو ماہی فراق نمبر۔ اکتوبر 1983ء اتر پردیس اردو اکادمی قیصر باغ لکھنو۔

☆ اردو میگزین۔ فراق نمبر 1983ء شعبہ اردو الہ آباد یونیورسٹی۔ الہ آباد

☆ فراق گورکھپوری کی شاعری میں المیہ عناصر۔ کوثر فاطمہ

☆ اردو غزل گوئی۔ فراق۔ لاہور۔ 1955ء

☆ اردو کی عشقیہ شاعری۔ فراق۔ الہ آباد۔ 1945ء

☆ جدید دور کے غیر مسلم غزل گو شعراء۔ ڈاکٹر یوسف صابر۔ ۲۰۱۸ء

☆☆☆

قرآن اور تخلیق انسانی

•(کیپٹن) ڈاکٹر ایم ایم شیخ
(اورنگ آباد)
موبائل: 9823784760

دوسری قسط

یَـآیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّکُمُ الَّذِی خَلَقَکُم مِن نَّفسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّ خَلَقَ مِنھَا زَو جَھَا وَبَثَّ مِنھُمَا رِجَالاً کَثِیراً وَّ نِسَآءَ
وَالتَّقُو اللہَ الَّذِی تَسَآئَلُونَ بِہٖ وَالاَرحَامَ اِنَّ اللہَ کَانَ عَلَیکُم رَقِیباً (سورۃ النساء)

''اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کر کے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں، اس اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رشتے ناطے توڑنے سے بھی بچو، بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے''

وَھُوَ الَّذِی جَعَلَ لَکُم النُّجُومَ لِتَھتَدُوا بِھَا فِی ظُلُمٰتِ البَرِّ وَالبَحرِ قَد فَصَّلنَا الاٰیٰتِ لِقَومٍ یَّعلَمُونَ (سورۃ الانعام۔۹۷)

''اور وہ ایسا ہے جس نے تمہارے لئے ستاروں کو پیدا کیا، تاکہ تم ان کے ذریعہ سے اندھیروں میں خشکی میں اور دریا میں بھی راستہ معلوم کرسکو۔ بے شک ہم نے دلائل خوب کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں ان لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں۔''

یَـآیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقنٰکُم مِّن ذَکَرٍ وَّ اُنثٰی وَجَعَلنٰکُم شُعُوباً وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوا اِنَّ اَکرَمَکُم عِندَ اللہِ اَتقٰکُم اِنَّ اللہَ عَلِیمٌ خَبِیر (سورۃ الحجرات ۱۳)

''اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک (ہی) مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور اس لیے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو کنبے اور قبیلے بنا دیئے ہیں اللہ کے نزدیک تم سب میں باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے یقین مانو کہ اللہ دانا اور باخبر ہے۔''

اللہ تبارک تعالیٰ کا طریقہ تخلیق

اللہ تبارک تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو بغیر عورت اور مرد کے پیدا کیا اور حضرت حوا علیہ السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے یعنی صرف مرد کے بغیر کسی عورت کے پیدا کیا۔ ان دونوں کو اللہ تبارک تعالیٰ نے بغیر ماں باپ کے پیدا کیا۔ باقی تمام بنی نوع انسان کو مرد اور عورت سے پیدا کیا۔

سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وہ بغیر مرد کے صرف عورت ہی سے پیدا ہوئے چنانچہ تخلیق کی یہ چار صورتیں ہی ہوسکتی تھیں جو اللہ نے پوری فرمادی۔

۱) نسل انسانی کے باپ ام البشر آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا پھر کہا کہ اسکو ہوجا وہ ہوگیا۔
۲) ماں حوا علیہ السلام جو بغیر ماں کے پیدا ہوئیں۔
۳) حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔
۴) باقی تمام بنی نوع انسانی کو مرد و عورت سے پیدا کیا۔

قرآن مجید چودہ سو سال قبل نازل ہوا۔ اس میں ایسے سائنسی حقائق موجود ہیں جن کا انکشاف سائنس دانوں نے موجودہ زمانے میں اپنی تحقیقات کے ذریعہ کیا۔ ان انکشافات کے ذریعہ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ قرآن مجید حقیقت میں اللہ تبارک تعالیٰ کا کلام ہے۔ جو ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ یہ بات عقل سے بالاتر ہے کہ کس طرح چودہ سو سال پہلے ان باتوں کا انکشافات ہو چکا تھا۔ جسے آج موجودہ زمانے کے سائنس داں اپنے سائنسی طریقوں اور ترقی یافتہ آلات کے ذریعے منکشف کر رہے ہیں۔

اللہ تبارک تعالیٰ کا طریقہ تخلیق ''کُن فَیَکُونَ'' ہے جس کے معنی ہیں ''ہوجا'' پس وہ ہوجاتا ہے۔ اسکو کائنات کی تخلیق اور ایجاد کے لیے کسی اسباب و وسائل کی ضرورت نہیں پڑتی صرف اُسکا حکم اور ارشاد ہی کافی ہے۔ اسی حقیقت کو اس مختصر جملے میں بیان کیا گیا ہے۔ مطالعہ فرمائیے۔

اللہ تبارک کا ارشاد ہے ''بَدِیعُ السَّمٰوٰتِ والاَرضِ وَاِذَا قَضٰٓی اَمراً فَاِنَّمَا یَقُولُ لَہٗ کُن فیکُونُ (سورۃ البقرہ ۱۱۷) ''وہ زمین اور آسمانوں کا ابتداً پیدا کرنے والا ہے، وہ جس کام کو کرنا چاہے کہہ دیتا ہے کہ ہوجا، بس وہ وہیں ہوجاتا ہے۔'' اسی طرح سورۃ النحل کی آیت ۴۰ کو ملاحظہ فرمائیے ''اِنَّمَا قَولُنَا لِشَیءٍ اِذَآ اَرَدنٰہُ اَن نَّقُولَ لَہٗ کُن فَیَکُونُ (سورۃ النحل ۴۰) ''ہم جب کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو صرف ہمارا یہ کہہ دینا کافی ہوتا ہے کہ ہوجا، بس وہ ہوجاتی ہے۔'' اسی طرح سورۃ یٰسین کی آیت ۸۲ میں ارشاد ہوا ''اِنَّمَآ اَمرُہٗ اِذَآ اَرَادَ شَیئًا اَن یَّقُولَ لَہٗ کُن فَیَکُونُ (سورۃ یٰس ۸۲) ''وہ جب کبھی کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اسے اتنا فرمادینا (کافی ہے) کہ ہوجا، وہ اسی وقت ہوجاتی ہے۔'' بہت ساری قرآنی آیات ہیں جن کے معنی ہیں جو وہ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ اور علم اور قدرت والا ہے۔ وہی اول بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے دنیا کی سب چیزیں اللہ تبارک تعالیٰ نے ہی پیدا کیں ہیں۔ سورۃ البقرہ کی آیت بَدِیعُ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ وَاِذَا قَضٰٓی اَمراً فَاِنَّمَا یَقُولُ لَہٗ کُن فَیَکُونُ (سورۃ البقرہ ۱۱۷)''وہ زمین اور آسمانوں کا ابتداً پیدا کرنے والا ہے، وہ جس کام کو کرنا چاہے کہہ دیتا ہے کہ ہوجا، بس وہ وہیں ہوجاتا ہے۔ (جاری)

ڈاکٹر ارتکاز افضل کی تنقیدی بصیرت

(حسب مراتب کے حوالے سے)

ڈاکٹر ارشاد احمد خاں
صدر شعبہ اردو این۔ ایس۔ بی کالج، ناندیڑ (مہاراشٹر)
موبائل :9922043593

☆ **خلاصہ (Abstract)**

ڈاکٹر ارتکاز افضل علاقۂ مرہٹواڑہ کے شہر اورنگ آباد کی ایک نمائندہ شخصیت ہیں۔ جنہوں نے بحیثیت ادیب، شاعر، مبصر، مفکر، مترجم اور نقاد اپنی الگ شناخت بنائی ہے۔ ان کی دیرینہ علمی، ادبی اور سماجی خدمات سے مرہٹواڑہ کا علمی و ادبی حلقہ بخوبی واقف ہے۔ انہوں نے اپنی وضعداری، عزم و حوصلہ، صبر و استقامت اور بے لوث خدمات کے ذریعہ ایک وسیع حلقہ کو اپنا گرویدہ بنالیا ہے۔ اس مختصر مضمون میں ڈاکٹر ارتکاز افضل کی تنقیدی بصیرت پر بات کی گئی ہے۔

☆ **تعارف (Introduction)**

ڈاکٹر ارتکاز افضل تقریباً تیس برس تک ڈاکٹر باباصاحب امبیڈکر مرہٹواڑہ یونیورسٹی میں شعبہ انگریزی سے وابستہ رہے اور بحیثیت ریسرچ گائیڈ ان کی نگرانی میں کئی طلباء نے ایم۔فل اور پی۔ ایچ ڈی کے مقالے مکمل کئے۔ ملازمت کے درمیان انہوں نے یونیورسٹی ایڈمنسٹریشن میں بھی اپنی بیش بہا خدمات بحسن وخوبی انجام دیں۔ انہیں انگریزی زبان کے علاوہ اردو، فارسی اور مراٹھی زبان پر بھی دسترس حاصل ہے۔ ڈاکٹر ارتکاز افضل انگریزی اور اردو کی کئی کتابوں کے مصنف و مرتب ہیں۔ ان کا شعری مجموعہ ''حسب معمول'' 2017ء میں منظر عام پر آچکا ہے۔ ان کی تحقیقی و تنقیدی مضامین پر مشتمل دو کتابیں ''حسب مراتب'' 2018ء اور ''حسب مقدور'' 2019ء میں منظر عام پر آچکی ہیں جن سے ان کی تنقیدی بصیرت کا پتہ چلتا ہے۔

☆ **ڈاکٹر ارتکاز افضل کی تنقیدی بصیرت :**

میرے پیش نظر ان کی پہلی نثری تصنیف ''حسب مراتب'' ہے جس میں کل انیس (۱۹) تحقیقی و تنقیدی مضامین ہیں۔ جن میں سے بیشتر مضامین علاقہ مراہٹواڑہ سے وابستہ شعراء اور ادباء سے متعلق ہیں جن میں میر ہاشم، قمر اقبال، جے۔ پی۔ سعید، شاہ حسین نہری، فہیم احمد صدیقی، فاروق شمیم، حمید سہروردی، اسلم مرزا اور سلیم محی الدین وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان مضامین کا مقصد علاقہ مراہٹواڑہ کے شعراء اور ادیبوں کی تخلیقات کو منظر عام پر لاکر علاقائی ادب کو قومی سطح پر متعارف کروانا رہا ہے۔

اس کتاب کا پہلا مضمون ''غالب کی شاعری کے چند پہلو'' غالب شناسی میں ایک اہم اضافہ ہے۔ اس مضمون کی ابتداء میں ہی غالبؔ کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے ارتکاز افضل یوں رقمطراز ہیں:

''غالب ایک ایسے مزاج کا نام ہے جس میں تخلیقی صلاحیتیں بدرجہ اتم موجود تھیں لہٰذا غالب کی شاعری کے موضوعات بھی رنگا رنگ ہیں۔ ایک ایسی باغ و بہار شخصیت جو دکھوں پر ہنسنے کا ہنر جانتی ہو اور خوشی میں سوز و گداز تلاش کرے اردو کی شعری روایت میں اگر نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔ غالبؔ کا کمال یہ ہے کہ ان کی شاعری میں بچوں کا معصوم تحیر، عالم کی نکتہ

رسی، صوفیاء کا کشف و کمال اور عاشق کا حزن وملال ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور یہ شعری تضاد پیدا کرنے کے بجائے ایک عجیب طرح کا تخلیقی ارتکاز پیدا کرتے ہیں۔'' [۱]

غالبؔ کی شاعری کا وصف موضوعات کا تنوّع اور جدّت پسندی ہے۔ غالبؔ سے پہلے اردو غزل کی دنیا بہت محدود تھی۔ غالب کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے اردو غزل میں مسائل حیات اور فکری عنصر کو شامل کرکے اسے وسعت دی۔

میر ہاشم تضاد و استبعاد'' بھی اس کتاب کا اہم مضمون ہے۔ میر ہاشم ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی ابتدائی شاعری میں جہاں حسن و عشق کی وارداتوں کا تذکرہ ہے وہیں وہ انقلاب کے نقیب اور جدیدیت کے پیروکار نظر آتے ہیں۔ انہوں نے ترقی پسندانہ افکار کو شاعری میں بڑی عمدگی سے روشناس کرایا۔ میر ہاشم کی شاعری میں تضاد اور استبعاد کی مختلف صورتوں میں پیدا ہونے والی کیفیات کے بارے میں ارتکاز افضل یوں رقمطراز ہیں :

''تضاد اور استبعاد میر ہاشم کی شاعری میں مختلف صورتوں میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔ کبھی ان کا اظہار عادات واطوار کی سطح پر ہوتا ہے تو کبھی روّیوں کی سطح پر کبھی ثقافتی قدروں کے تہہ نشین انسلاکات کی دریافت میں ان سے مدد لی جاتی ہے تو کبھی خالص لسانیاتی سطح پر انہیں برتا گیا ہے۔ تضاد و استبعاد کا موضوع کبھی تو شعری و سماجی عمل کا باہمی تضاد ہے اور کبھی تو خود شاعری کی ذات۔'' [۲]

قمر اقبال : ربع صدی کی آواز اس مضمون میں علاقہ مراہٹواڑہ کے اہم شاعر قمر اقبال کی غزل گوئی کا جائزہ

لیتے ہوئے ان کی غیر معمولی تخلیقی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے ڈاکٹر ارتکاز افضل کچھ یوں رقمطراز ہیں :

''قمر اقبال اپنی غزلوں کی تخلیقی فضاء وقت کی تین بنیادی اکائیوں کے توسط سے باندھتے ہیں اور وقت کی یہ تین اہم اکائیاں روزمرّہ کی زندگی سے ماخوذ ہیں نہ کہ کسی مجرّد فلسفہ یا شعوری عمل کی پیداوار مثلاً شام، شب اور نصف النہار وقت کے تین ایسے دائرے ہیں جن میں ہر انسان کی زندگی سمٹ جاتی ہے لیکن قمر کی غزلوں میں یہ دائرے محسوسات وارادت کے تین مختلف ومتنوع تلازمات پیش کرتے ہیں دراصل اگر یہ کہا جائے کہ ان غزلوں کی تخلیقی فضاء ان ہی تین دائروں پر محیط ہے تو غلط نہ ہوگا۔'' ۳

''جے ۔ پی۔ سعید، نیرنگ خیال'' اس مضمون میں علاقہ مرہٹواڑہ کے کلاسیکی روایات کے علمبردار شاعر جے پی سعید کی شاعری کا عمدہ تجزیہ کیا گیا ہے۔ قاضی غوث محی الدین صدیقی عرف جیلانی پاشاہ عرف جے۔ پی سعید یہ تینوں نام ایک ہی شخصیت کے ہیں۔ جے پی سعید ان کا قلمی نام ہے اور سعید ان کا تخلص ہے۔ جے۔ پی۔سعید ازل تا آخر تک ایک روایت پسند اور کلاسیکی شاعر رہے ہیں۔زبان وبیان پر قدرت ،فنی اسرار ورموز سے مکمل آگہی اور ایک متوازن لہجہ ان کی شناخت ہے۔بقول بشر نواز :

''روایت کا احترام، زبان و بیان پر فنّی دسترس اور معتدل لہجہ آج بھی سعید کی پہچان ہے۔سعید نے ادبی ہنگاموں سے دور اپنی دنیائے فکر وفن آباد کر رکھی ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ ان کا فن ہر نکتہ خیال کے حامیوں کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔'' ۴

جے پی سعید کی شاعری میں کلاسیکی روایات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارتکاز افضل یوں رقمطراز ہیں :

''جے۔ پی سعید کا موضوع عشق کی محرومی، معشوق کی عشوہ طرازیاں اور غم جاناں ہے۔ جے۔ پی سعید کے تعلق سے یہ نکتہ کافی اہم اور قابل غور ہے کہ ان کی شعری لفظیات اساسی طور پر ہماری کلاسیکی روایات کی مرہون منت ہیں لیکن ان کی ادائیگی کا جوڈھب جے۔ پی سعید کے پاس ملتا ہے وہ صرف ان کے ذوق وشوق کا پروردہ ہے۔'' ۵

حسب مراتب کا اگلا مضمون ''شاہ حسین نہری'' کے عنوان سے ہے۔ علاقہ مرہٹواڑہ کے شہر اورنگ آباد سے تعلق رکھنے والے شاہ حسین نہری کی انفرادیت مسلّم ہے۔ مرہٹواڑہ کی شعری روایت کے سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہونے کے باوجود انہوں نے اسلوب کی سطح پر بھی اپنی انفرادیت قائم کی۔

بقول پروفیسر حمید سہروردی :

''شاہ حسین نہری کی شعری معنویت کلاسیک اور جدید شعری رجحان کو اس طرح انگیز کر لیتی ہے کہ ان کے اسلوب خاص سے مختص ومخصوص ہو کر ان کی شعری فکر کی زائدہ بن جاتی ہے کہ ان کی شاعری کسی شعری پیغام کی متحمل نظر نہیں آتی مگر اس کی تہہ میں ایک مہذب آدمی کا مہذب طریقہ اظہار ہے جو فکر صحیح کی طرف رجوع کرتا ہے۔'' ۶

شاہ حسین نہری کی شاعری میں کفایت لفظی کی خصوصیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارتکاز افضل یوں رقمطراز ہیں :

''شاہ حسین نہری کے اشعار، شاعری کی بنیادی صفتوں مثلاً تشبیہ، استعارہ، پیکر، کنایہ وغیرہ کے برتنے میں کفایت لفظی سے کام لیتے ہیں لیکن غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کا شعری اختصار اپنے دامن میں خطابت و بلاغت کے بے شمار رمز سموئے ہوئے ہے۔'' ۷

☆ ماحصل :

فہیم احمد صدیقی: ''کلیات نظم ونثر'' فاروق شمیم: ''غزل کے نئے افق'' سلیم محی الدین ''وابستہ'' حمید سہروردی ''عقب کا دروازہ'' اور ''ترجمہ نگاری کا فن اور اسلم مرزا'' ان مذکورہ مضامین کے علاوہ سفید کوّا: ایک تجزیہ، کہانی در کہانی، اردو کہانی کے زماں ومکاں لمحوں کی صلیب، سلیم احمد اندھے سفر کا مسافر، مخطوطہ نگاری، اردو کی ادبی صحافت: قومی یکجہتی کے حوالے سے، اہل تصوف کا مخاطبہ اور صوفیانہ مسلک عشق یہ مضامین بھی اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ مضامین اردو ادب کے طلباء، ریسرچ اسکالرس، اساتذہ کے لئے ہی نہیں بلکہ اردو ادب سے دلچسپی رکھنے والے ہر قاری کے لئے ایک بیش بہا معلومات کا ذریعہ ہیں۔ارتکاز افضل اپنے علم وقلم کی بے پناہ جلوہ سامانیوں سے نئی نسل کی آبیاری کر رہے ہیں۔ وہ نئے نئے موضوعات پر مضامین تحریر کر کے اپنی ذہنی بیداری کا ثبوت پیش کر رہے ہیں۔ آج بھی کسی نہ کسی صورت میں ان کی جانب سے افہام وتفہیم کے سلسلے جاری ہیں۔

ورق تمام ہوا کارنامے باقی ہیں
سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لئے

☆

حوالہ جات :

(۱) حسب مراتب۔از: ارتکاز افضل۔صفحہ ۱۰
(۲) حسب مراتب۔از: ارتکاز افضل۔صفحہ ۲۲
(۳) حسب مراتب۔از: ارتکاز افضل۔صفحہ ۳۴
(۴) گل گشت۔ جے۔ پی سعید۔صفحہ ۲۰
(۵) حسب مراتب۔از: ارتکاز افضل۔ص ۴۹
(۶) شب تاب۔از: شاہ حسین نہری صفحہ ۱۷۳
(۷) حسب مراتب۔از: ارتکاز افضل۔صفحہ ۶۰

☆☆☆

اچھی نثر کیا ہے؟

ڈاکٹر آصف فیضی (مالیگاؤں)
موبائل : 9270055443

انسان اپنے خیالات، تجربات، محسوسات اور مشاہدات کو جن تحریری شکلوں میں بیان کرتا ہے اس میں سب سے اہم نثر ہے۔ نثر اس تحریر کو کہتے ہیں جس میں وزن کا اہتمام نہ ہو۔ نثر کی اہم خوبی ''وضاحت'' ہے۔ نثر کی ایک اور اہم خوبی ''سلاست'' ہے۔ لفظ اور معنی دونوں اعتبار سے آسان نثر کو ''سلیس نثر'' کہتے ہیں۔ نثر کی دیگر اہم خوبیوں ''میں ''فصاحت و بلاغت'' بھی ہے۔ ''آسان اور با محاورہ'' نثر کو ''فصیح'' اور جس کی ''ترسیل آسانی'' سے ہوا سے ''بلیغ'' کہتے ہیں۔

اثر ہو سننے والوں پر بلاغت اس کو کہتے ہیں
سمجھ میں جلد جو آئے فصاحت اس کو کہتے ہیں

اچھی نثر اسے کہتے ہیں جو آسان اور بے عیب ہو۔ بے عیب تحریر وہ ہے جس میں روزمرّہ محاورے، قواعد اور املا کی غلطی نہ ہو، جس کا ''املا'' اور ''انشا'' درست ہو۔ لفظ کس طرح لکھا جائے، یہ ''املا'' کا مسئلہ ہے۔ جملہ کس طرح لکھا جائے یہ ''انشا'' کا مسئلہ ہے۔ عبارت کی ''خوبیوں اور خامیوں'' کا تعلق بھی ''انشا'' سے ہوتا ہے۔ جملہ لفظوں سے بنتا ہے۔ جملوں سے عبارت بنتی ہے۔ اچھی عبارت کے لیے ضروری ہے کہ ''جملے بے عیب'' ہوں۔ بے عیب جملے ہم اس وقت لکھ سکتے ہیں جب لفظوں کو اچھی طرح جانتے ہوں۔ اچھی طرح جاننے کا مطلب یہ ہے کہ تین باتیں ضرور معلوم ہوں: (۱) لفظ کا ''صحیح املا'' کیا ہے؟ (۲) اُس کے ''معنی'' کیا ہیں؟ (۳) جملے میں اس لفظ کو کس طرح لانا چاہیے؟ اس تیسری بات میں ''قواعد، روزمرہ محاورہ'' سب شامل ہیں۔ مطلب یہ کہ قواعد کی غلطی نہ ہو، اِسی کے ساتھ روزمرّہ محاورے بھی درست ہوں۔ روزمرّہ کا مطلب ہے؛ اُس طرح لکھنا یا بولنا جس طرح معیاری اردو میں ہمیشہ بولتے اور لکھتے آئے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ بے عیب عبارت لکھنا اچھی بات ہے، لیکن یہی سب کچھ نہیں۔ اچھی عبارت وہ ہے جو ''بے عیب'' بھی ہو اور اُس میں ''بیان کا حسن'' بھی ہو۔

اچھی نثر لکھنے کا کوئی مقررہ قاعدہ نہیں ہے۔ جملے میں جو لفظ لائے جائیں، تو سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ مطلب کو اچھی طرح ادا کر رہے ہیں یا نہیں۔ ایسا تو نہیں کہ ایک یا دو لفظ بدل دیے جائیں تو پہلے کے مقابلے میں مفہوم بہتر طور پر ادا ہو سکے گا۔ گویا اچھا جملہ لکھنے کے لیے مناسب لفظوں کا انتخاب پہلی ضروری بات ہے۔ دوسری ضروری بات یہ ہے کہ جن مناسب لفظوں کو منتخب کیا جائے، جملے میں ان کی ترتیب بھی مناسب طور پر ہونا چاہیے۔

ابتداء میں اچھی عبارت لکھنا آ جائے تو، پھر یہ خوبی قلم کا ساتھ نہیں چھوڑتی۔ شروع میں اِس طرف توجہ نہ کی جائے، تو پھر زندگی بھر اس خرابی کو بھگتنا پڑتا ہے۔

یہ بات بھی دیکھنے کی ہوتی ہے کہ وہ جملہ جب زبان سے ادا ہوگا تو اُس میں ''روانی'' کتنی ہوگی۔ کوئی ایسا لفظ تو نہیں آ گیا ہے جس کو ادا کرنے میں زبان رُکنے لگے۔ اچھی نثر کی ایک خوبی یہ بھی ہوتی ہے کہ اس میں ''روانی'' ہوتی ہے، ''رُکاوٹ'' نہیں ہوتی۔ کسی اچھے جملے کو دو تین بار پڑھیے آپ محسوس کریں گے کہ ایک خاص طرح کا ''آہنگ'' اور ایک خاص طرح کی ''نغمگی'' اُس کے اندر موجود ہے۔ جملے میں جتنی زیادہ روانی ہوگی، اُسی نسبت سے اُس میں ''وزن اور آہنگ'' کی لہریں پیدا ہوں گی۔ روانی ٹوٹنے لگے گی، تو وہ آہنگ بھی ٹوٹنے لگے گا۔

جملے دو طرح کے ہوتے ہیں؛ مُفرد اور مُرکّب۔ مُرکّب جملے وہ ہوتے ہیں جو دو یا زیادہ جملوں سے مل کر بنے ہوں اور مفرد جملہ ایک جملہ ہوتا ہے۔ لمبے مُفرد جملے یا طویل مُرکّب جملے لکھنا غلط نہیں۔ بہت سے مقامات پر اُن کی ضرورت ہوتی ہے۔ مُفرد جملوں میں اگر مفہوم آسانی کے ساتھ ادا ہو سکتا ہو، تو پھر مرکب جملے لکھنے کی ضرورت نہیں، اسے غیر مناسب کہا جائے گا۔ لمبے لمبے جملوں میں کبھی یہ خرابی پیدا ہو جاتی ہے کہ زائد لفظ شامل ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ مفہوم کی تکرار ہو جاتی ہے۔ عبارت میں زائد یعنی ''فالتو لفظ'' ہوں تو اسے عیب کہا جائے گا۔ اِسی طرح ''مفہوم کی تکرار'' ہو تو اِسے بھی خرابی مانا جائے گا۔ مُفرد جملے کو مُرکّب جملے پر ترجیح دینا چاہیے۔ یہ بھی کوشش کرنا چاہیے کہ جملے ضرورت سے زیادہ طویل نہ ہوں۔

اچھی نثر کی خوبی یہ (بھی) ہے کہ جملے مختصر ہوں، بیان میں سادگی و صفائی ہو، عربی فارسی کے مشکل الفاظ نہ ہونے کے برابر ہوں، چھوٹے چھوٹے جملوں سے عبارت کو چست بنایا جائے، فالتو (غیر ضروری) لفظوں کا نام و نشان نہ ہو، عبارت اس صفائی کے ساتھ مطلب ادا کر رہی ہو جیسے نظر شیشے کے پار ہو جاتی ہے، روانی ایسی ہو جیسے جھرنا بہہ رہا ہو۔ ممکن حد تک مشکل لفظ ہماری عبارت میں نہ آنے پائیں۔ مفہوم کو ادا

کرنے کے لیے آسان لفظ موجود ہیں،تو پھر مشکل لفظوں کو عبارت میں نہیں ٹھونسنا چاہیے۔ اس سے عبارت بےلطف ہوجاتی ہے، بندش کی چستی باقی نہیں رہتی اور روانی ختم ہوجاتی ہے۔ ''چلتی گاڑی میں روڑا اٹکانا'' اسی کو کہتے ہیں۔ پڑھتے وقت لغت کی کتاب سامنے رکھنا ضروری ہوتو وہ نثر کیا ہوئی! یہ تو ''بے کمالی بلکہ بے ہنری'' کی پہچان ہے۔جس طرح عربی فارسی لفظوں سے خواہ مخواہ بچنا غیر مناسب ہے،اُسی طرح بےضرورت اُن کو عبارت میں شامل کرنا بھی مناسب نہیں۔لفظوں کے انتخاب میں بس یہ پہلو سامنے رہنا چاہیے کہ مطلب صحیح طور پر ادا ہوجائے اور ممکن حد تک عبارت میں سادگی رہے۔اس کے بجائے، اگر علم کی نمائش مقصود ہوتو، اس کو بد ذوقی اور نامعقولیت کہا جائے گا۔یا پھر یہ کہا جائے گا کہ لکھنے والا اناڑی ہے۔

انگریزی کے بہت سے الفاظ ہماری زبان میں شامل ہوچکے ہیں اور وہ ہماری زبان کا حصہ بن گئے ہیں۔ انگریزی کے ایسے لفظ جن کا بدل ہمارے پاس نہیں ہے،انہی لفظوں کو استعمال کرنا چاہیے ان کا بلاضرورت ترجمہ نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ ایسے لفظ اردو کے اپنے لفظ ہیں۔اس سے زبان بوجھل اور مشکل ہوجاتی ہے۔ اسی طرح جن لفظوں کے بدل ہمارے پاس پہلے سے موجود ہیں،ان کی جگہ انگریزی لفظ لانا بے تُکے پن کی بات ہے۔ اِسے بگڑی ہوئی اردو کہا جائے گا۔ انگریزی کے لفظ غیر ضروری طور پر عبارت میں شامل نہیں کرنا چاہیے،اس کی جگہ عام فہم اردو لفظ استعمال کرنا چاہیے،''بے جوڑ پیوند کاری'' عبارت کو خراب کردیتی ہے۔ ایسی تحریر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شخص ''بد ذوق'' بھی ہے اور مناسب و غیر مناسب لفظوں کے انتخاب اور استعمال میں جو فرق ہوتا ہے اُس سے بھی ناواقف ہے۔

عبارت کی خرابی میں ''زائد لفظوں'' کا حصہ بھی کچھ کم نہیں ہوتا۔ زائد لفظوں سے مراد ایسے لفظ جن کو اگر نکال دیا جائے تو،مفہوم پر اثر نہ پڑے عبارت پہلے سے بہتر ہوجائے۔لفظوں کی ''غیر ضروری تکرار'' بھی بڑا عیب ہے، اِس سے بچنا چاہیے۔ زائد لفظ عبارت کے حسن کو تباہ کردیتے ہیں۔اچھی عبارت وہ ہے جس میں ''لفظی کفایت شعاری'' سے کام لیا گیا ہو۔ زائد لفظ نہ ہوں، غیر ضروری طور پر ''لفظوں کی تکرار'' نہ ہو، اور ممکن حد تک ایسے لفظ نہ ہوں جنھیں عربی فارسی کے بھاری بھرکم لفظ کہا جاسکے۔ نیز غیر ضروری انگریزی لفظوں کے ''بے جوڑ پیوند'' نہ لگائے گئے ہوں۔ ہم جب بھی کچھ لکھیں،ہمیں اسے بار بار پڑھنا چاہیے اور غور کرنا چاہیے کہ جملوں میں کچھ لفظ زائد تو نہیں۔اس کی عادت ڈال لی جائے تو اکثر صورتوں میں تحریر زائد ٹکڑوں سے محفوظ رہ سکتی ہے۔

لفظوں کے انتخاب میں بہت احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ جملے میں جتنے لفظ لکھے جائیں، ہر لفظ کے متعلق ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ (۱) اس کا املا کیا ہے؟ (۲) معنی کیا ہیں؟ معنی کے ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اُس لفظ کو جملے میں کس جگہ اور کس ڈھنگ سے لایا جائے۔ یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اس لفظ کا صحیح تلفّظ کیا ہے۔عبارت تو پڑھنے کے لیے لکھی جاتی ہے۔ اگر کوئی لکھنے والا ہی اپنی لکھی عبارت میں لفظوں کو صحیح طور پر نہ پڑھ پائے تو یہ بڑے شرم کی بات ہوگی۔جن لفظوں کے معنی معلوم نہ ہوں، یا کچھ شک ہو اُن کو جملوں میں نہیں لکھنا چاہیے۔لغت میں دیکھ لینا چاہیے، یا استادِ محترم سے پوچھ لینا چاہیے۔ جب اطمینان ہوجائے تب لکھنا چاہیے۔ اس سلسلے میں احتیاط نہ کرنے سے بڑی خرابیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔

نوٹ: یہ مضمون رشید حسن خاں کی کتاب ''انشا اور تلفظ'' میں بکھرے ہوئے جملوں کو یکجا کرکے ترتیب دیا گیا ہے۔اچھی نثر لکھنے کی مثالیں دیکھنے کے لئے مذکورہ بالا کتاب کا مطالعہ ضرور کریں۔

☆☆☆

☆☆☆☆

غزل

رضا جالنوی (اورنگ آباد)
موبائل : 8454974740

گر نسخۂ ضبطِ غم تو مجھ کو بتا دیتا
میں حال میں کھو جاتا ماضی کو بھلا دیتا

کچھ تو ہی بہک جاتا یا میں ہی بدل جاتا
پھر کون صدا سنتا پھر کون صدا دیتا

زخموں کی حفاظت بھی اب میری ضرورت ہے
اک زخم رلا دیتا اک زخم ہنسا دیتا

ہم ظرف کے قائل ہیں بہنے نہ دیئے آنسو
گر اور کوئی ہوتا طوفان اٹھا دیتا

یہ عدل انوکھا ہے عادل بھی نرالا ہے
ناکردہ گناہوں کی ملزم کو سزا دیتا

غالبؔ کے اثاثے میں تصویریں و نامے تھے
کچھ بات رہی ہوگی ورنہ وہ جلا دیتا

پتّھر میں بھی کیڑے کو ملتی ہے غذا بے شک
یہ شانِ کریمی ہے یہ رزق خدا دیتا

دنیا کے رضاؔ میں نے سب قرض چکا ڈالے
اک دودھ کا باقی ہے اے کاش چکا دیتا

☆☆☆

تیسری قسط

سہ ماہی ادبی رسالہ ''عکس ادب'' اورنگ آباد کے ۲۱ر تا ۳۰ر شماروں کا سرسری مطالعہ

ڈاکٹر عابد حسین ایم ایس
(مالیگاؤں)
موبائل : 9922384032

خلاصہ (Abstract)

سہ ماہی ''عکس ادب'' سرزمینِ اورنگ آباد سے جاری ہونے والا اردو ادب کا ایک معیاری رسالہ ہے۔ جو ایک دہائی قبل سے ادبی خدمات میں اور نشر واشاعت میں لگا ہوا ہے۔ اب تک (۴۵) سے زائد شمارے منظرِ عام پر آچکے ہیں۔ اس تحقیقی مضمون میں مذکورہ رسالے کے اداریوں میں درج خیالات کا تنقیدی و تجزیاتی مطالعہ پیش کیا جارہا ہے۔ساتھ ہی ادبی دنیا میں سہ ماہی عکس ادب اپنا کردار کس طرح ادا کرتے ہوئے تشنگانِ ادب کو سیراب کررہا ہے۔اس مضمون میں اس پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

تعارف (Introduction)

اس شمارے میں نمبر ۲۱ر سے ۳۰ر تک کے شماروں کے اداریوں کا تنقیدی و تجزیاتی مطالعہ پیش کررہے ہیں۔ یقیناً قارئینِ عکسِ ادب اسے خوب پسند کریں گے اور اس منفرد کوشش پر حوصلہ افزائی بھی کریں گے۔

سہ ماہی عکسِ ادب کا ۲۱ر واں شمارہ (اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۷ء) کا ہے۔اس شمارے کے سرورق پر مسرور تمنّا صاحبہ کی تصویر ہے اور افسانے ، افسانچے اور یادگار لمحات کی تصویری جھلکیاں بھی شامل ہیں۔اس شمارے کے اداریے میں ڈاکٹر یوسف صاحب رقمطراز ہیں کہ ''ادب کے معیاری اور غیر معیاری ہونے کی فکر کون کرے گا ؟ جبکہ فنکار ہی شک کے دائرے میں ہو تو معیاری کلام کی توقع کیسے رکھ سکتے ہیں؟ ذرا سی تحقیق و تفتیش سے لوگوں کے معیاری اور غیر معیاری ہونے کا پتہ آسانی سے لگایا جا سکتا ہے۔ غیر معیاری تخلیق کار سچّے قلمکاروں کو اپنے فن بیچنے پر مجبور کرکے زرکمار ہے ہیں۔اسی لیے ایسی جھوٹی شان وشوکت رکھنے والوں کو بے نقاب کرنا ضروری ہے لیکن بلّی کے گلے میں گھنٹی باندھے گا کون؟ یہ تو آنے والا وقت بتائے گا۔

سہ ماہی عکسِ ادب کا ۲۲ر واں شمارہ (جنوری تا مارچ ۲۰۱۸ء) کا ہے۔اس شمارے کے سرورق پر مراٹھواڑہ کی مشہور ومعروف شخصیت عارف خورشید صاحب کی تصویر مع شعر۔

مار ہی ڈالے ہے عارف انبساطِ زندگی
کچھ دکھوں کی یاد کے بل پر میں زندہ رہ گیا

درج ہے۔

اس شمارے کے اداریے میں ڈاکٹر یوسف صابر صاحب نہایت محتاط انداز سے مذہبی معاملات میں لب کشائی کرنے خصوصاً تین طلاق کے معاملے میں ادبی سیمینار و کانفرنس منعقد کرنے اور بیان بازی سے باز رہنے کی تلقین کرتے ہیں تاکہ ہم اسلام کے نازک مسئلوں کے بارے میں علماء کرام ومفتیان عظام سے رجوع کرکے دنیا وآخرت میں سرخرو ہوسکیں۔شاعر و ادیب کو شریعت پر نکتہ چینی سے گریز کرکے اچّھے دانشور وادیب ہونے کا ثبوت دینا چاہیے۔یہی ادب ہے اور ادب کا تقاضہ بھی۔

(نوٹ:اس شمارے میں راقم کا مضمون بعنوان ''ڈاکٹر قمر رئیس بہرائچی بحیثیت رباعی گو'' ص ۵۳ شامل ہے۔)سہ ماہی عکسِ ادب کا ۲۳ر واں شمارہ (اپریل تا جون ۲۰۱۸ء) کا ہے۔اس شمارے کے سرورق پر عبدالقدیر خان سیفی صاحب کی تصویر اور روایت کے مطابق ایک شعر درج ہے۔ساتھ ہی آپ پر لکھے گئے مضامین بھی شامل ہیں۔اس شمارے کے اداریے میں مدیر اعلیٰ ہندوستان میں اردو کی زبوں حالی پر شکوہ کر رہے ہیں کہ ہندوستان میں اردو ادب کو عروج وترقی نصیب ہو لیکن آج عوامی مقامات پر اردو اخبارات ، رسائل اور کتابیں دور دور تک نظر نہیں آتے۔ریلوے اور بس اسٹیشنوں پر بھی اردو اخبارات و رسالے عنقا ہوتے جارہے ہیں ۔ موصوف نے دہلی ریلوے اسٹیشن کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ دہلی جیسے ادبی مرکز کا حال بھی یہی ہے کہ یہاں عوامی مقامات پر ادبی کتب و رسائل کو نظریں تلاش کرتی ہیں لیکن یہ کہیں نظر نہیں آتے ۔ان حالات کا ذمّہ دار کون؟ کیا صرف لکھنے والے ہی پڑھیں اور خریدیں؟ نہیں بلکہ عام قارئین کو آگے آنا ہوگا اور اردو کتب ، اخبارات و رسائل کو خرید کر پڑھنا ہوگا اور لوگوں کو ادبی کتابیں خریدنے کی ترغیب دینی ہوگی تب ہی اردو کا بول بالا ہو سکے گا۔

سہ ماہی عکسِ ادب کا ۲۴ر واں شمارہ (جولائی تا ستمبر ۲۰۱۸ء) کا ہے۔اس شمارے کے سرورق پر نورالحسنین صاحب کی تصویر ہے اور ان کا عشق سے متعلق قول بھی درج ہے جو ان کے ناول '' چاند ہم سے باتیں کرتا ہے'' سے ماخوذ ہے۔اس شمارے کے اداریے میں ڈاکٹر یوسف صابر صاحب اردو کی کمیاب اور نایاب صنف ''فکشن'' کے بارے میں رقمطراز ہیں۔ افسانچے ،منی کہانی،مختصر افسانہ،طویل افسانہ، ناولٹ ، ناول اور ہر قسم کے ڈرامے ان سب کو ادب میں ایک ہی سوئی اور دھاگے سے پرویا جاتا ہے جسے ہم نے ''فکشن'' کا نام دیا ہے۔چونکہ افسانچوں میں الفاظ کم ہوتے ہیں لیکن خیالات ومعنی کی دنیا سمائی ہوتی ہے

اس لیے یہ فن آسان نہیں ہے آج کے دور میں اس صنف نازک کے ساتھ یہی ہو رہا ہے۔اس لیے اس فن کوفروغ دینے کے لیے سیمینار کرنے اور کروانے کی ضرورت اور زیادہ سے زیادہ مضامین لکھنے لکھوانے کی ضرورت پر زور دیا جانا چاہیے۔مگر آغاز کون کرے گا یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔

سہ ماہی عکسِ ادب کا ۲۵ رواں شمارہ ''سلور جبلی اشو'' ہے، یہ رسالہ (اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۸ء) کا ہے۔اس کے سرورق پر مالیگاؤں کے معروف نثر نگار شب انصاری صاحب کی فوٹو سلور فریم میں آویزاں ہے اور اخبار بینی سے متعلق قول سرورق کی زینت بنا ہوا ہے ۔ اس شمارے کے اداریے میں ایڈیٹر ڈاکٹر یوسف صاحب اردو زبان وادب کے معیار کے بقاء وتحفّظ کے لیے فکر مندی کا اظہار کرتے ہوئے فلمی دنیا کے مشہور اداکار قادر خان سے متعلق رقمطراز ہیں کہ ''اگر انہیں زندگی اور میسّر آجاتی تو یقیناً اردو زبان اور اس کے اسکرین پلے اور مکالموں میں اور بہتری آجاتی۔'' مزید رقمطراز ہیں کہ ''بالی ووڈ فلموں نے اردو زبان وادب کو وسعت دینے میں جو کوشش کی ہے ابن صفی کے علاوہ کسی نے بھی ایسی کوشش نہیں۔'' مزید رقمطراز ہیں کہ ''آج فلمی دنیا میں اردو ڈائلاگ بول کر، گیت وغزل لکھ کر لوگ کروڑوں کما رہے ہیں لیکن کوئی اردو زبان کی بقاء و تحفّظ اور معیار کی بہتری کے لیے آگے آنے کو تیار نہیں۔'' دیکھنا یہ ہے کہ اس کار خیر کے لیے کون اور کب آگے آتا ہے۔

سہ ماہی عکسِ ادب کا ۲۶ رواں شمارہ (جنوری تا مارچ ۲۰۱۹ء) کا ہے۔اس کے سرورق پر پروفیسر ڈاکٹر عقیلہ سیّد غوث (پرنسپل مہیلا کالج امبہ جوگائی ضلع بیڑ) کی تصویر اور عورت کی زندگی کے بارے میں ان کا قول درج ہے۔اس شمارے کے اداریے میں مدیر اعلیٰ ڈاکٹر یوسف صابر صاحب اصلاحی ادب پر زور دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ قلمکاروں کے قلم سے اچھائی پھیلنی چاہیے بُرائی نہیں۔نیکی اور ادب کا تعلق ایک سکّے کے دو رخ جیسا ہے۔ قلمکاروں کی ادبی کاوش بھی بھٹکے ہوئے انسانوں کو راستہ دکھاتی ہے۔ جو تحریر راستہ بھٹکائے ادب کا حصّہ نہیں ہوسکتی۔مزید رقمطراز ہیں کہ نہ تو فحش نگاری کی تعریف کرنا چاہیے اور نہ ہی ان تحریروں کی تشریح وتشہیر ہونی چاہیے۔ وگرنہ عذابِ الٰہی کے مستحق بن سکتے ہیں۔

سہ ماہی عکسِ ادب کا ۲۷ رواں شمارہ (اپریل تا جون ۲۰۱۹ء) کا ہے۔اس شمارے کے سرورق پر قمر اقبال کی تصویر اور ان کا ایک شعر ؎

سجا رکھی ہے سرِ چشم موتیوں کی دکان
ذرا نگاہ ملائے تو جوہری کوئی

درج ہے۔

اس شمارے کے اداریے میں ڈاکٹر یوسف صاحب نے قلمکاروں کی حالتِ زار پر دو دو آنسو بہائے ہیں اور ان کی کسمپرسی کے حالات کا اظہار کیا ہے کہتے ہیں کہ ''ٹی وی کے معمولی سے اداکار مختصر عرصے میں شہرت کے ساتھ ساتھ دولت بھی خوب اکٹھا کر کے پُر آسائش زندگی گزارتے ہیں اس کے برعکس بے شمار مستند، معتبر، قابل، ذہین و دانشور اپنی تمام عمر علم وادب کے فروغ میں صرف کرنے کے بعد بھی کنگال رہتے ہیں۔ فلمی اداکاروں کے بچّے اداکار ، کھلاڑیوں کے بچے کامیاب کھلاڑی اور سیاست دانوں کے بچّے کامیاب سیاست داں بن رہے ہیں اور کامیاب زندگی گزار رہے ہیں لیکن قلمکار کے بچّے قلمکار بننے میں قباحت محسوس کرتے ہیں بلکہ قلمکار بننا بھی نہیں چاہتے اور اگر کوئی بچّہ غلطی سے بھی میدان ادب میں آجائے تو اُسے آوارہ اور ناکارہ سمجھ کر اس کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے اب اس صورتحال کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ پہل کون کرتا ہے۔

سہ ماہی عکسِ ادب کا ۲۸ رواں شمارہ (جولائی تا ستمبر ۲۰۱۹ء) کا ہے۔اس رسالے کے سرورق پر اورنگ آباد کی مشہور شخصیت اسلم مرزا صاحب کی تصویر اور ان کا ایک شعر ؎

کوئی تو آئے اُجالوں سا بولنے والا
ہماری سوچ کی گرہوں کو کھولنے والا

درج ہے۔اس شمارے کے اداریے میں مدیر اعلیٰ ڈاکٹر یوسف صابر صاحب اردو ادبی رسالوں کے معیار پر سوال اٹھاتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ ادبی رسالے عصر حاضر کے ادب کے عکاس ہوتے ہیں۔ان میں شامل تخلیقات کی موجودہ دور میں معیار کے یقین کرنے یا نہ کرنے کی بجائے اُسے رسالوں کی زینت بننے دینا چاہیے ۔ بارہا دیکھا گیا ہے کہ کچھ تخلیقات اور ادبی کاوشوں کو موجودہ دور میں پست معیار سمجھا جاتا ہے لیکن مستقبل میں ان کی قدر منزلت کا اندازہ ہوتا ہے اور بعض کو بہت پذیرائی ملتی ہے لیکن مستقبل میں اس کو کوئی اہمیت حاصل نہیں رہتی۔اس لیے کوئی ادبی کاوش کس معیار کی ہے فوری طئے کرنے کی بجائے اُسی کے حال پر چھوڑ کر مستقبل کے حوالے کر دینا چاہیے یہی وقت کا تقاضہ ہے۔

سہ ماہی عکسِ ادب کا ۲۹ رواں شمارہ (اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۹ء) کا ہے ۔اس کے سرورق پر جاوید ناصر صاحب کی تصویر اور ایک شعر درج ہے اس شمارے کے اداریے میں ڈاکٹر یوسف صاحب نے اردو اخبارات و رسالے و کتب کی ختم ہوتی اشاعت پر حیرت وافسوس کرتے ہوئے اپنے ذاتی تجربے کو بیان کیا ہے ۔ لکھتے ہیں کہ کسی کالج کے اردو مضمون کے پروفیسر نے اُن کی کتابیں اور رسالے خریدنے سے

معذرت ظاہر کی جبکہ کسی دوسرے کالج کے سائنس کے پروفیسر نے رسالے اور کتابوں کو خرید کر حوصلہ افزائی کی۔اس واقعہ سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ مستقبل میں کتب ورسائل کی اشاعت کتنی مشکل ہوجائے گی۔

سہ ماہی عکسِ ادب کا ۳۰/واں شمارہ (جنوری تا مارچ ۲۰۲۰ء) کا ہے۔اس کے سرورق پر اردو کے عظیم غزل گوشاعر حسرت موہانی کی تصویر اور ان کا ایک شعر ؎

حقیقت کھل گئی حسرت ترے ترکِ محبّت کی
تجھے تو اب وہ پہلے سے بھی بڑھ کر یاد آتے ہیں

درج ہے۔اس شمارے کے اداریے میں ڈاکٹر یوسف صابر صاحب نے نئے سال کی مبارکباد دینے کی بجائے کرونا وبائی مرض کے متعلق عالمی وملکی حالات و معاملات کا تذکرہ کیا ہے اور ادب پر ہونے والے اثرات پر توجّہ دلائی ہے لکھتے ہیں کہ کرونا وباء کے دوران لوگ تنہا رہنے پر مجبور ہوگئے تھے۔جیسے میدانِ حشر میں لوگ ایک دوسرے سے بھاگیں گے اُسی طرح اس وبائی بیماری میں مبتلا افراد سے لوگ کنارہ کشی اختیار کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ ہر مذہب کی عبادت گاہیں ویران ہوگئی تھیں۔ اس کے اثرات جہاں انسانی زندگی پر مرتب ہوئے وہیں ادب بھی محفوظ نہیں رہا۔مستقبل میں اس عنوان کو کتنا لکھا جاتا رہے گا یہ تو آنے والا وقت بتائے گا۔پچھلے ۲۰/سالوں کی طرح ۲۱/تا ۳۰/رسالے بھی اپنی ایک الگ پہچان لے کر شائع ہوئے ہیں۔''عکس ادب'' کے ہر رسالے میں ایک صفحہ دینی معلومات کا ہوتا ہے، ایک صفحہ حمد و مناجات ونعت پر مشتمل ہوتا ہے۔ایک صفحہ مغزادب کے لئے مخصوص ہے۔''عکس ادب'' میں ہر بار کسی شاعر، ادیب یا دانشور کا مخصوص گوشہ شامل رہتا ہے۔ ''عکس ادب'' کی ایک اور خوبی یہ رہی کہ یہ اب تک پابندی کے ساتھ شائع ہوا ہے اور اس کے تمام شمارے الگ الگ شائع ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ کورونا وباء کا بھی ''عکس ادب'' کی اشاعت پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ ''عکس ادب'' میں نئے، پرانے سبھی قلمکاروں کو جگہ دی جاتی ہے۔ ۲۱/ سے ۳۰/شماروں کے سرسری مطالعہ سے یہ بات بھی سامنے آئی ہے۔رسالہ نمبر ۲۱/ میں ۱۷/مضامین ہیں۔ رسالہ نمبر ۲۲/میں ۱۷/مضامین ہیں۔رسالہ نمبر ۲۳/میں ۱۸/مضامین ہیں۔رسالہ نمبر ۲۴/میں ۲۰/مضامین ہیں۔ رسالہ نمبر ۲۵/میں ۲۸/مضامین ہیں۔ رسالہ نمبر ۲۶/میں ۲۵/مضامین ہیں۔رسالہ نمبر ۲۷/میں ۲۲/مضامین ہیں۔رسالہ نمبر ۲۸/میں ۱۷/مضامین ہیں۔ رسالہ نمبر ۲۹/میں ۲۱/مضامین ہیں۔ رسالہ نمبر ۳۰/میں ۲۰/مضامین ہیں۔اس طرح شمارہ نمبر ۲۱/تا ۳۰/میں سہ ماہی اردو ''عکس ادب'' میں جملہ ۲۰۵/ مضامین ہیں۔ دس شماروں میں دوسو سے زائد تحقیقی وتنقیدی ایسے مضامین جو نہ صرف ریسرچ کے طلبہ بلکہ اساتذہ کے لئے بھی قیمتی سرمائے سے کم نہیں ہیں۔ یہ مضامین مختلف موضوعات وشخصیات پر ہیں، جن کا تعلق راست ادب سے ہے۔''عکس ادب'' کے مذکورہ شماروں میں خاکے اور انشائیے بھی ہیں اور افسانے بھی، اسی طرح مختلف شعری اصناف سخن میں شعراء کا منتخب کلام بھی ان شماروں کی زینت بنا ہوا ہے۔''عکس ادب'' میں شامل 'مغزادب' جسے خود ڈاکٹر یوسف صاحب تحریر کرتے ہیں رسالے کو انفرادیت بخشتا ہے۔ڈاکٹر یوسف صابر تحریروں کے ساتھ ''عکس ادب'' میں تصاویر بھی شامل کرتے ہیں۔''عکس ادب'' میں شامل قلمکاروں کی تصویریں ''عکس ادب'' کے فرنٹ پیج پر خصوصی گوشہ کے ادیب وشاعر کی تصویر، یادگار لمحات کے تحت متعدد تصویریں اور خبروں کے حوالے سے بھی مختلف تصویریں ''عکس ادب'' میں شامل ہیں۔ڈاکٹر یوسف صابر نے ۲۱/تا ۳۰/شماروں میں پچھلے شماروں کی طرح ''عکس ادب'' کے باطن وظاہر دونوں کو بڑی محنت ولگن سے سجایا اور سنوارا ہے۔ڈاکٹر یوسف صابر کا یہ کام ان کی قابلیت، لگن اور اردو سے محبت درشاتا ہے۔''عکس ادب'' میں اور بھی کئی خوبیاں ہیں جنھیں اس مختصر مضمون میں بیان نہیں کیا جاسکتا ہے۔اپنے قلم کو ڈاکٹر یوسف صابر کے ہی ایک شعر پر روکتا ہوں ؎

جو دوسروں پہ صرف کردے اپنی زندگی
دنیا میں وہی بوند بنے بوند سے موتی

☆☆☆

بقیہ: ہم عصر اردو افسانے کی معتبر نسوانی آواز

اختصار کے ساتھ مصنفہ ۵۰ سالہ قبل کی ہندوستانی ثقافت کے ساتھ ساتھ آج کے ہندوستانی معاشرہ پر روشنی ڈالتی ہیں۔ افسانے میں صوفیہ کی زبان دانی بھی عمدہ ہے۔ہرلفظ کی شیرینی افسانہ نگار کی طرز نگارش کا پتہ دیتی ہے۔

ان خواتین افسانہ نگاروں کے علاوہ اور بھی نام ہیں جن کا ذکر لازم ہے۔ ڈاکٹر فہمیدہ خان، ترنم ریاض، ثروت خان، صادقہ نواب سحر، ذکیہ مشہدی، نگار عظیم، اشرف جہاں، تسنیم کوثر و دیگر افسانہ نگار خواتین۔

تمام باتوں کی روشنی میں ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ خواتین افسانہ نگاروں کی کہانیوں میں زندگی کے مختلف مسائل حقیقی پس منظر میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ان کا یہ فنی اختصاص ہے کہ یہ زندگی کو داخلی احساس اور فن کی سطح پر برتنے کی ہرممکن کوشش کرتی ہیں۔جب ہم ان کی کہانیوں کو پڑھتے ہیں تب ان کی کہانیوں میں ہمیں زندگی کی رنگارنگ حقیقت کو تلاش کرنے کی جستجو دکھائی دیتی ہے۔ان کا قوت مشاہدہ ان کے افسانوں کو زندگی کا حقیقی ترجمان بنانے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ ☆

اردو میں خاکہ نگاری
فن و ارتقاء

محمد مزمل حسین
ریسرچ اسکالر، رانچی یونیورسیٹی، رانچی

خلاصہ (Abstract)

خاکہ نگاری کو اشاروں کا آرٹ کہا جاتا ہے، جس میں زندگی کے متعدد نکات کو بہ آسانی پیش کیا جاسکتا ہے۔ اس مختصر مضمون میں خاکہ نگاری کے فن اور اس کے ارتقاء پر بات کی گئی ہے۔

تعارف (Introduction)

بقول خلیق انجم : ''خاکہ کا فن بہت مشکل اور کٹھن فن ہے۔ اسے اگر نثر میں غزل کا فن کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ جس طرح غزل میں طویل مطالب بیان کرنے پڑتے ہیں، ٹھیک اسی طرح خاکے میں مختصر الفاظ میں پوری شخصیت پر روشنی ڈالنی پڑتی ہے۔'' (اردو ادب میں خاکہ نگاری، ڈاکٹر صابرہ سعید، ص۔۹)

بہترین خاکے کے لئے خاکہ نگار کو اس ضمن میں محتاط ہونا چاہئے کہ جس شخصیت پر خاکے لکھے جائیں اسے الفاظ و زبان کے ذریعہ حیات نو بخشی جائے ساتھ ہی اس شخصیت کو اصل رنگ و روپ اور ماحول میں پیش کیا جائے۔ خاکہ حقیقت کا پرتو ہو، اس کے لئے شخصیت کے نمایاں اور مسلم خصوصیتوں کو پیش نظر کرنے کے ساتھ ساتھ ذہنی افتاد اور اس کے افکار و نظریات کو بھی سامنے لانے کی بھرپور کوشش ہونی چاہئے، اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ شخصیت کی سیرت کو نمایاں کرنے میں غیر جانبداری سے کام لیا جائے۔ خاکہ نگار یہ بھی پیش نظر رکھے کہ جس طرح اس کے دل میں اس شخصیت کے لئے ہمدردی ہے، اسی طرح وہ قاری کے دل میں بھی اس شخصیت کے تئیں ویسے ہی ہمدردانہ جذبات پیدا کرنے میں کامیاب رہے۔ خاکہ نگار کو وسیع النظر ہونا ضروری ہے۔ خاکہ دراصل خاکہ نگار کی بصیرت، بصارت، ذہانت اور مصورانہ مہارت سبھی کا منبع ہوتا ہے، اس لئے اچھا خاکہ نگار وہی ہوسکتا ہے جو خود کو اس فضا میں پہنچا دے جس میں شخصیت متنفس و متحرک ہو۔ وہ اپنے موضوع کو اس طرح پیش کرے جیسا اس نے دیکھا ہے اور فنی ہنر مندی کے ساتھ ماضی کو حال کی صورت عطا کردے، اس لئے خاکہ نگار کے لئے یہ لازمی ہے کہ وہ مشاہدے کی قوت رکھتا ہو۔ انسان میں صرف اچھائیاں نہیں ہوتیں بلکہ وہ خوبیوں اور خامیوں کا جیتا جاگتا مرقع ہوتا ہے۔ اس لئے خاکہ نگار کو چاہئے کہ وہ جانبدارانہ رویہ نہیں اپنائے بلکہ صاف گوئی کے ساتھ شخصیت کی خوبیوں اور خامیوں کو بیان کرے جس سے خاکہ نگار کے سچے تاثرات کھل کر سامنے آئیں۔

بقول آمنہ صدیقی :

''اسے صرف فرشتہ یا انسان بنا کر نہ پیش کیا جائے بلکہ اسے ان دونوں کا مجموعی رہنے دیا جائے کیوں کہ اس مجموعہ کا نام انسان ہے۔''

فن خاکہ نگاری :

بہترین خاکہ کے لئے سچائی، صحیح مرقع کشی، عمدہ ترتیب، دیانت داری، اظہار کی جرأت، شعوری فراست، نپے تلے الفاظ میں شخصیت کے ظاہری اور اندرونی حدود اربعہ کا بیان، وحدت تاثر، معروضی انداز اور شخصیت کی تخلیقی کاوش کا ذکر ہونا ضروری ہے۔ خاکہ نگاری تخلیق کے انداز کی شعوری کوشش ہے اس لئے خاکہ نگار کی یہ کوشش ہونا چاہئے کہ خاکہ غیر حقیقی واقعات کا مرقع نہ بنے، بلکہ زندہ اور متحرک تصویر کی شکل اختیار کرلے، جس کے مطالعہ کے بعد قاری کو یہ محسوس ہو کہ یہ حقیقت سے بھی آگے کی کڑی ہے۔

جہاں تک خاکہ نگاری کے فنی لوازم کی بات ہے اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ خاکہ نگار صراحت سے کام نہ لے بلکہ، اختصار نویسی پر خصوصی توجہ دے۔ جس طرح افسانے کے لئے اختصار کی کیفیت خاص اہمیت رکھتی ہے اسی طرح خاکہ نگار کو بھی چاہئے کہ وہ زبان و بیان اور واقعات کے تعلق سے جز میں کل کے ہنر سے واقفیت کا مظاہرہ کرے اور ظاہری طوالت سے حد درجہ گریز کرے ادبی تاریخ کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ مختصر خاکے کے ساتھ ساتھ طویل خاکے بھی لکھے گئے ہیں۔ مثلاً عبدالحق کا تخلیق کردہ ڈیڑھ صفحے کا مختصر خاکہ ''حکیم امتیاز الدین اور فرحت اللہ بیگ کا طویل خاکہ ''نذیر احمد کی کہانی کچھ ان کی کچھ میری زبانی۔'' طویل خاکے کے مقابلے میں مختصر خاکے زیادہ اہمیت کے حامل ہوتے ہیں کیوں کہ طویل خاکے میں مکمل تاثر کی موجودگی باقی نہیں رہ پاتی ہے۔ اس کے برعکس مختصر خاکے میں واقعات کو اختصار کے ساتھ شخصیت کو اس طرح جامع شکل میں پیش کیا جاتا ہے کہ قاری کا ذہن بھرپور تاثر قبول کرتا ہے۔ خاکہ میں اختصار نویسی کے متعلق نورالحسن ہاشمی کہتے ہیں کہ :

''کسی زندگی کا ایسا خاکہ یا مرقع پیش کرنا جو مختصر بھی ہو اور جامع بھی یعنی مختصر اتنا ہو کہ ہم اسے ایک نشست میں پڑھ ڈالیں اور جامع ایسا ہو کہ اس کی شخصیت کا کوئی پہلو نظر انداز بھی نہ ہونے پائے۔ اگر اس پر، انداز بھی دلچسپ ہو تو یہ خاکہ نگاری بہت کامیاب ہوجاتی ہے۔''

خاکہ نگار کو چاہئے کہ وہ شخصیت کے تعلق سے لب ولہجہ کا استعمال اگر شخصیت سنجیدہ ہے تو لب ولہجہ بھی سنجیدہ ہونا چاہئے اور اگر شخصیت پُرمزاح ہے تو اسی ڈھنگ کا

لب ولہجہ استعمال کرنا لازمی ہے، کیوں کہ انداز پیشکش ہی خاکے کی اہم خصوصیت ہے۔

خاکہ نگاری کا آغاز وارتقاء :

اردو میں خاکہ نگاری کی ابتدا کب اور کیسے ہوئی اس کی صحیح تاریخ معلوم نہیں۔صنف شاعری میں خاکے کے ابتدائی نقوش ملتے ہیں ،خاص کر مرثیہ ،مثنوی قصیدہ اور ہجو وغیرہ میں، اسی کے ساتھ ساتھ تذکروں میں بھی خاکہ کے ابتدائی نقوش اچھی تعداد میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔''میرؔ کے ''نکات الشعرا'' (۱۱۶۵ھ) اور بعد کے تذکروں میں خاکہ نگاری کے اوّلین ہلکے پھلکے نقوش ملتے ہیں لیکن انہیں مکمل طور سے خاکہ نہیں کہا جاسکتا۔ان کے علاوہ قدرت اللہ قاسم کے تذکرہ 'مجموعہ نغز'' (۱۲۱۲ھ) اور سعادت اللہ یار خاں کے تذکرہ 'خوش معرکۂ زیبا' کو خاکہ کا عکس ضرور کہا جاسکتا ہے۔انشاء کی 'دریائے لطافت'' میں کردار نگاری پر زور قلم صرف کیا گیا ہے،لیکن شخصی فطرت اور تاثرات کی عدم موجودگی ہے ۔یہی وجہ ہے کہ یہ Proto Type کے کہے جاسکتے ہیں،لیکن محمد حسین آزاد کی تصانیف 'دربار اکبری' ''نیرنگ خیال' اور آبِ حیات' میں بعض معلومات اس طرح فراہم کی گئی ہیں کہ انہیں خاکے سے قریب تر کہا جاسکتا ہے۔'آب حیات' میں آزاد نے سوداؔ، میرؔ، دردؔ، انشاؔ، جرأت، میر حسن، مومنؔ اور غالبؔ کی جامع تصویر اختصار نویسی کے ساتھ چند اشاروں میں ہی کھینچ دی ہے۔بقول ڈاکٹر اسلم فرخی :

''چاول کے دانے پر قل ھواللہ لکھنے کا کمال ہے۔''

ساتھ ہی 'آب حیات' سیرت نگاری کا بہترین نمونہ بھی ہے۔یہی وجہ ہے کہ 'آب حیات' کو خاکوں کا دلکش پیکر بھی کہا جاتا ہے۔بقول سید محمد تقی :

''محمد حسین آزاد کے اس کارنامے کو جو ۱۸۸۰ء کی پیداوار ہے،اردو ادب میں وہی حیثیت حاصل ہے جو دانتےؔ کی Davine Comedy کو ہے۔ ہومرؔ کی ایلیڈ اوڈیسی اور فردوسی کے شہنامے کو حاصل ہے۔ دانتے کی ڈیوائن کامیڈی نے قرون وسطیٰ کے دم توڑتے ہوئے تمدن کو بچانے کی کوشش کی۔ایلیڈ اور اوڈیسی کے ذریعہ ہومر نے یونان کے قدیم قبائلی کلچر کو نیست ونابود ہونے سے بچالیا۔فردوسی نے شاہنامے قریب الختم ساسانی کلچر کو تحریر کے ذریعہ سے زندگی عطا کرنے کی کامیاب سعی کی اور آزاد نے اس شہ پارے کے ذریعہ نہ صرف شمالی ہند کے تمدنی اور تہذیبی ورثے کو بچا لیا بلکہ آب حیات کے چھینٹے دے کر مشاہیر سلف کو زندہ کرنے اور انہیں بقائے دوام بخشنے کی کوشش کی۔''

'آب حیات' کی اہمیت اس لئے بھی ہے کہ اس میں انہوں نے قدیم ادبی روایات کو زندگی کے نئے تقاضوں سے ہم آہنگ کیا ہے۔شعراء کے اتنے مفصل خاکے 'آب حیات' ہی میں پہلی مرتبہ پیش کئے گئے ہیں۔'آب حیات' کی طرح 'دربار اکبری' میں بھی ہمیں خاکہ نگاری کے بہترین نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں کیوں کہ ''دربار اکبری' میں آزاد نے شخصی عادات و اطوار، جذبات واحساسات کی عکاسی پر خصوصی توجہ دی ہے ۔اس اعتبار سے آزاد وہ پہلے شخصیت نگار ہیں جنہوں نے اس صنف کی بنیاد استوار کی۔

آزاد کے بعد رسواؔ اور شررؔ کو خاکہ نگاری کے میدان میں خاص مقام حاصل رہا ہے۔شرر کا تخلیق کردہ 'سیر رجال ونسواں' اور مختلف شخصیتوں سے متعلق سلسلے کو شخصی مرقع کی بہترین مثال کہا جاسکتا ہے۔شررؔ کی انفرادیت یہ ہے کہ انہوں نے خاکہ نگاری کے لئے ایک ہی قسم کے اشخاص کو موضوع خاص نہیں بنایا بلکہ دونوں طرح کے افراد ان کے یہاں ملتے ہیں۔اس طرح اردو کے خاکے کے ابتدائی نقوش میں 'سیر رجال نسواں' کی انفرادیت مسلم ہے۔البتہ رسوا نے اپنے تخلیق کردہ شخصی ،مجموعہ 'وضع واران لکھنو میں شخصیت کے کسی ایک ہی پہلو کو مرکز نگاہ بنایا ہے اس لئے اس مجموعہ کو شخصی مرقع کشی کے لئے اہمیت نہیں دی جاسکتی۔

'محرم نامہ' میں کربلا سے متعلق شخصیتوں کی تصویر کشی اور واقعات کا بیان خواجہ حسن نظامی نے بہت ہنرمندی کے ساتھ کیا ہے ۔لیکن ان شخصیات کی ایک جامع تصویر سامنے لانے میں نظامی ناکام رہے ہیں کیوں کہ شخصی تصویریں سپاٹ پن کا شکار ہوگئی ہیں۔اس لئے 'محرم نامہ' کو مکمل خاکہ نہیں کہا جاسکتا،لیکن اس کے باوجود شرر، رسواؔ اور نظامی کی کاوشوں کو خاکہ نگاری کی ابتدائی نقوش ضرور کہا جاسکتا ہے۔

ماحصل :

یہاں پر یہ ذکر بے جا نہیں کہ اردو خاکہ نگاری نے اب ایک سایہ دار پیڑ کی شکل اختیار کرلی ہے۔اردو میں خاکہ نگاری کو اعتبار بخشنے والوں میں مرزا فرحت اللہ بیگ ،آغاز حیدر حسین، عبدالحق ، بشیر احمد ہاشمی، خواجہ غلام السیدین ،عبدالرزاق کانپوری، شوکت تھانوی، عبدالماجد دریابادی، رشید احمد صدیقی اور معین الدین دردائی کا نام جس طرح اہمیت کا حامل ہے،اسی طرح عصمت چغتائی ، مالک ،منٹو اور شاہد احمد دہلوی کا نام بھی اہم ہے کہ انہوں نے اس فن کو آگے بڑھانے میں کارہائے فن نمایاں انجام دئے۔ایک نام جو اردو میں خاکہ نگاری کو اعتماد کی حد تک صنف نثر قرار دیتا نظر آتا ہے وہ نام بلاشبہ مجتبیٰ حسین کا ہے جنہوں نے اپنے خاکوں میں ان تمام باتوں کا لحاظ رکھا جو ایک خاکہ نگار کے لئے لازمی ہے۔خاکہ نگاری کا سفر ہنوز جاری ہے اور اس کی محبوبیت سے یہ امید قائم کی جاسکتی ہے کہ یہ عنقریب اردو نثر کی ایک محبوب اور اہم صنف گردانی جائے گی۔

☆☆☆

ناول ''فرات'' ایک جائزہ

مشرف عالم (جھارکھنڈ)

خلاصہ (Abstract)

۲۹۶ صفحات پر مشتمل ناول 'فرات' ۱۹۹۲ء میں شائع ہوا۔ یہ سال صرف بابری مسجد کی شہادت کا سال نہیں بلکہ آپسی رشتوں، یقین اور اعتماد کے ٹوٹنے اور بکھرنے کا سال ہے۔ 'فرات' کی اہمیت اور افادیت ہر پُر آشوب دور میں اور تشنہ عصر محسوس ہوتی ہے۔ اس مضمون میں ناول ''فرات'' کا سرسری جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

تعارف (Introduction)

حسین الحق نے وقار احمد کے توسط سے پانچ نسلوں پر مشتمل ایک کہانی قاری کے سامنے پیش کردی اور سوچنے، سمجھنے اور عمل کرنے کے نئے در کھول دیئے۔ اس عبرتناک کہانی میں مرکزیت وقار احمد کو حاصل ہے جن کی پُشت پر ابّا جان اور دادا حضرت کی یادیں، سامنے بیٹے بیٹی، پوتے پوتی اور درمیان میں خود وقار احمد اور ان کی ۷۵ سالہ زندگی کے نشیب و فراز ہیں۔ ابا جان اور دادا حضرت تو پس منظر کا کام دیتے ہیں پیش منظر میں بڑے بیٹے فیصل کا کنفیوژ ڈ مگر قابل توجہ کردار ہے جو نہ تو پوری طرح جدید بن سکا اور نہ ہی قدیم روایات سے وابستہ ہوسکا۔ دوسرا بیٹا تبریز ہے جو ذہنی ہیجان میں مبتلا، مذہب سے بے بہرہ، گھر سے بیگانہ اور خود سے اُکتایا ہوا نظر آتا ہے۔ تیسرا کردار بیٹی شبل کا ہے۔ ۳۵ سالہ روشن خیال لڑکی شبل جمہوریت، سیکولرزم اور کمیونزم کی دلدادہ ہے اور سب کو اپنے طور پر زندگی گزارنے کا حق دلانا چاہتی ہے مگر فسادیوں کی بربریت کا شکار ہوتی ہے اور جس کے بارے میں کمیشن آج تک فیصلہ نہیں کرسکا کہ وہ پولس کی گولی سے مری یا حملہ آوروں کے وار سے۔

'فرات' کی کہانی بظاہر ایک خاندان کی کہانی کی طرح اُبھرتی ہے لیکن آہستہ آہستہ اس کا کینوس وسیع ہوتا جاتا ہے اور پھر اس میں ماضی کا جبر، جنریشن گیپ، مذہبی رویے، سیاست، تہذیب، ثقافت غرض زندگی کے مختلف پہلوؤں کے در کھلتے چلے جاتے ہیں اور وہ بھی اس تخلیقی خوبی اور فنی چابکدستی کے ساتھ کہ قاری کی دلچسپی ناول کے آخری صفحات تک مسلسل برقرار رہتی ہے۔ آئیڈیولوجیکل مسائل اور اقدار کے تصادم کی عکاسی کے علاوہ مذکورہ ناول اُس کرب کا بھی شدت سے احاطہ کرتا ہے جس میں ہندوستانی مسلمان تقسیم وطن کے بعد سے آج تک عدم تحفظ کے حالات سے دوچار ہیں۔ فرقہ وارانہ فسادات کس طرح صرف مسلمانوں کو جانی اور مالی نقصان پہنچاتے ہیں اور پولس اُس میں کس طرح برابر کی شریک رہتی ہے، یہ ناول اس کی نشاندہی کرتا ہے اور لاشعوری طور پر یہ بھی احساس دلاتا ہے کہ مسلمانوں کے پاس یا تو عظمت رفتہ کی داستانیں ہیں یا حال کی بدحالیاں اور وہ ان ہی کے وسیلوں سے جی رہے ہیں، آگے بڑھ رہے ہیں کیونکہ زندگی کی چاہت بار بار اُنہیں ٹھونگے مار رہی ہے اور آگے بڑھنے پر اُکسا رہی ہے۔

ناول ''فرات'' کا سرسری جائزہ :

حسین الحق کا یہ ناول عمل اور ردعمل کے پیہم اور پیچیدہ دام میں گرفتار اُس زندگی کا اعلامیہ ہے جو فرات کی مانند ہے اور جس کے کنارے کھڑی تشنہ لب انسانیت کرب و بلا میں گرفتار ہے اور اُس سے نجات حاصل کرنے کی مسلسل جدوجہد میں لگی ہوئی ہے۔ اس ہمہ گیر علامات کی روشنی میں جو اہم پہلو ہمارے سامنے اُبھر کر آتا ہے وہ یہ کہ قوم کو نہ صرف اپنی تاریخ سے واقف ہونا چاہئے بلکہ اُس سے سبق بھی لینا چاہئے۔ حسین الحق تقسیم ہند کا ذکر کرتے ہوئے اس سائیکی کو بہت خوبصورت ڈھنگ سے پیش کرتے ہیں :

''مملکت خداداد اسلامیہ پاکستان اور سیکولر جمہوریہ ہندوستان میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے خون سے وہ ہولی کھیلی گئی کہ مہابھارت کی جنگ ایک چھوٹا سا حادثہ محسوس ہونے لگی اور راتوں رات انسان کی تقدیر کے کیلنڈر کا ایک ورق زوردار ہوا کے جھونکے سے پھٹ کر کہیں دُور پھینکا گیا اور اب مسلمان ہندوستان میں ایک نمبر کے شہری کا بلّا لگائے، دو نمبر کے شہری کی طرح زندگی بسر کررہے تھے۔''

'فرات' اپنی تنظیم کا احساس دلاتا ہے، مسائل سے دوچار کرتا ہے اور حساس قاری کو دیر تک سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔ اس کے تمام کردار اپنی اپنی زندگی اپنی مرضی سے جینے کے بعد بھی ناآسودہ نظر آتے ہیں اور خودشناسی اور خوددریافتگی کے عمل میں مبتلا ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر تبریز اپنے اردگرد کے حبس زدہ ماحول سے گھبرا کر خود سے پوچھتا ہے کہ: ''میں کیا ہوں؟ میں کیوں ہوں؟ میں کب سے ہوں؟''

مگر اُس کے گرد چاروں طرف، دُور دُور تک وہی دُھند اور وہی ہاں نہیں والی کیفیت دکھائی دیتی ہے۔ اس کردار کا مطالعہ کرتے ہوئے قاری کے ذہن میں کہیں نہ کہیں سے کامو کی کتاب The myth of Sisyphus کی سچویشن اُبھر آتی ہے۔ سارتر کے ناول ''متلی'' میں وجود کی شناخت اور اس کی لامعنویت اور زندگی کی بے چہرگی کے احساس کو جس طرح موضوع بنایا گیا اُسی طرح تبریز کے کردار اور اُس کی ذہنی کیفیت پر حسین الحق نے گفتگو کی ہے اس میں کافکا کے افسانہ 'قلب ماہیت' کا اثر بھی خاصا واضح ہے کہ مذکورہ کہانی میں اسماء کے چیزوں سے یعنی اجزا کے

جوہر سے الگ ہوجانے کے تجربہ کا بیان ہے۔تبریز کے حوالے سے حسین الحق شائد یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ بصارت اورسماعت نے انسانی وجود میں ایسا خلفشار پیدا کردیا ہے کہ اشیاء کا بنیادی گوہر یا تو گُم ہوگیا ہے یا پھرمسخ ہوگیا ہے۔کائنات اوراشیاء مظاہر کی تمام مسخ شدہ شکلیں ہی اصلاً ''فرات'' کا خام مواد ہیں۔کسی فلسفیانہ تصور کو قصہ کا روپ عطا کرنے کا یہ ہُنر حسین الحق کی خاص شناخت ہے۔

'فرات' کا بنیادی خیال یہ کہ ہرعہد میں سچ کی تلاش کا کرب جھیلنے والاشخص حسینؓ کا پیروکار ہے مگر آج کا یہ پیروکار جاہ وحشم کی بہتی ہوئی ندی کا آرزومند ہے اسی لئے فرات کی روح اُس سے دُور بہت دُور ہے۔

شعور کی رو کی تکنیک کا استعمال کرتے ہوئے ناول نگار نے وقار احمد اور فیصل کو ماضی اورحال میں ڈوبتے اوراُبھرتے دکھایا ہے۔وقار احمد تو ماضی میں زیادہ تر ڈوبے رہتے ہیں اورحال میں کم ہی نظر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر صفیہ خالہ کی بیٹی شمیم سے اُن کا عشق جوانی کے ابتدا میں ہوا اور وہ ہمیشہ ان کے لیے بس پرچھائیں بنی رہی۔ وقار احمد نے اس پرچھائیں کو حقیقت میں بدلنے کے بہت جتن کیے مگر :

''سات تہوں میں اپنا آپ چھُپا کراورسینت کر رکھنے والی یہ بورژوا ،مہاجنی نظم کی پروردہ،آدھی کھلی آدھی چھپی،ہاں اورنہیں کے حصار میں گم،ڈرپوک اور بے وقوف لڑکی کسی طرح بھی پوری کی پوری اس کے سامنے آجائے لیکن پرچھائیں پرچھائیں ہی رہی۔''

زبان و بیان کا بہترین نمونہ ہونے کے ساتھ ساتھ 'فرات' کا ایک اوراہم پہلو ہے،میرابائی کے دوہوں کا استعمال۔بظاہر یہ عجیب سی بات لگتی ہے کہ ناول کے واقعاتی پیرائے میں مسلسل اورمتعدد دوہوں کے استعمال کی کیا ضرورت آن پڑی۔سرسری طور پر تو کہا جاسکتا ہے کہ یہاں نثر شاعری سے اکتساب کرتی نظر آرہی ہے مگر معاملہ کچھ اتنا سیدھا سادہ نہیں ہے۔یہ بھی ایک شعوری عمل ہے جسے ناول نگار نے تکنیک کے طور پر استعمال کیا ہے۔ یہ منظر۲۶۲ سے ص۲۶۵ تک دستیاب ہے۔اس منظر کا سیاق وسباق یہ ہے کہ ناول کا مرکزی کردار وقار احمد جماعت اسلامی اورتبلیغی جماعت دونوں سے الگ ہوچکا ہےاوراب اس کشمکش کا شکار ہے کہ وہ کدھر جائے۔انسانی زندگی میں یہ لمحہ عام زبان میں لمحہ جمود کہا جاتا ہے مگر یہ جمود تو دراصل تعطل ہے،ایک وقفہ Pause جس میں تخلیقی اذہان ایسی اُوب اور بورڈم (Boredom) سے گزرتے ہیں جوانہیں کسی نئے منظرنامے کا ناظر بننے،اُس سے جُڑ جانے اور پھرخود ایک نیا نظارہ خلق کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ اس کے لئے مختلف تخلیق کار مختلف Tools استعمال کرتے ہیں۔ چونکہ حسین الحق کے ہم عصروں کے یہاں ناسٹلجیا (Nostalgia) ایک بڑی طاقت رہا ہےاورسبھی نے اس کے سہارے وقت کی طنابوں کو کھینچتے ہوئے آگ کے دریا کو پار کیا ہے۔حسین الحق نے بھی اس تکنیک کو بخوبی برتا ہے۔وہ اس معطل لمحے میں اُلٹا چلتے ہیں اورمحبوب الٰہی کی خانقاہ، بابا فرید کی محفل، شاہ ولی اللہ دہلوی ،مرزا مظہر جان جاناں ، مولانا فخرالدین دہلوی سب کی مجلسوں سے گزرتے ہوئے خود احتسابی کے کوچے میں داخل ہوجاتے ہیں۔ یہ سارا مرحلہ رویوں اور Attitude کو کتھا بنانے کا ہے۔ظاہر ہے اس کتھا یاترا میں ''ہجر'' بنیادی Motivating point ہے ۔یہ ہجر جسے پورے ناول میں وقار احمد لگاتار جھیلتے ہیں،اُن کے بھائی،اُن کے ہمزاد کا ہے۔ناول کی ابتدا سے ناول کی انتہا تک وقار احمد اس بھائی کا ہجر جھیلتے رہ گئے، بھائی کا انتظار کرتے رہ گئے مگر بھائی نہ آیا۔ یہ ایک علامتی ہجر ہے۔ آدمی ساری زندگی کسی نہ کسی ہجر میں مبتلا رہتا ہے اور وصل کی گھڑی نہیں آتی۔

وقار احمد : ''ہجر کے اس ظالم پل میں یادوں کی سیج پر پی کی راہ تکتی دُلہن کا روپ دھارن کر چکے تھے۔''

اور اسی مقام پر میرا بائی نے وقار احمد کا ہاتھ تھاما اور آہستہ سے سمجھایا ''میں روہنی بیٹھی جاگوں،جگت سب سودے ری آلی''اور پھر میرا بائی ناول کے مرکزی کردار کو ہجر کے مہاساگر سے اس طرح ڈبکیاں دینے لگیں کہ سارا سمندر اُن پر سارے کا سارا کھل گیا۔ ایک منجمد صورت حال (Static Sitution) کو متحرک بنانے کے لئے اور کردار کو جمود سے کسی ممکنہ عمل یا بے خیالی سے کسی خیال اور نقطہ نظر تک پہنچا دینے کے لئے میرا بائی کے دوہوں کا یہ استعمال اپنے آپ میں کامیاب بھی ہے اور منفرد بھی۔

ماحصل :

ناول کے اس تفصیلی جائزہ کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ فرات اپنے موضوع کی ہمہ گیریت اوراُسلوب کی ندرت کی بنا پر زندہ رہنے والا ناول ہے حالانکہ جس زمانے میں فرات شائع ہوا (۱۹۹۲ء) اُسی زمانے میں کچھ اور ناول بھی شائع ہوئے۔اشاعت کے ابتدائی دوتین برسوں میں فرات کی بہ نسبت دوسرے ناولوں پر زیادہ گفتگو ہوئی مگر گذشتہ چار پانچ برسوں میں ناقدین اور قارئین نے آہستہ آہستہ جس طرح فرات کی طرف توجہ کی ہے اورجس طرح یہ مسلسل حوالے میں آرہا ہے اُس سے یہ بات واضح ہے کہ کچھ اورناول جادو کی طرح سر چڑھ کر بولے ہوں تو بولے ہوں مگر حسین الحق کے ناول فرات میں ایک ایسی سچائی ہے جو آہستہ آہستہ اپنا اثر دکھاتی ہے اوراُس وقت اپنا کام شروع کرتی ہے جب جادو کا اثر ختم ہوجاتا ہے۔ ☆☆☆

ناول ''دِوّیہ بانی'' ایک جائزہ

ڈاکٹر سیف اللہ (گیا۔ بہار)

خلاصہ (Abstract)

''پانی''، ''کینچلی''، ''کہانی انکل''، ''مم''، ''دِوّیہ بانی'' اور ''فسوں'' لکھ کر ڈاکٹر غضنفر نے اردو ناول نگاری میں اپنی انفرادی شناخت قائم کی ہے۔ یہ سبھی ناول ضخامت کے اعتبار سے مختصر ہونے کے باوجود گہری معنویت کے حامل ہیں۔ان میں سے بعض ناولوں کا کینوس تو صدیوں کو محیط ہے مثلاً ناول ''پانی'' جو ایک سو چار صفحات پر مشتمل ہے مگر اس میں زوال سے ابد تک کی تاریخ کا احاطہ کیا گیا ہے اور یہ مختصر ناول مطالعہ کے دوران بہت پھیلا ہوا محسوس ہوتا ہے۔''دِوّیہ بانی'' میں بھی ایجاز واختصار کا یہ وصف بدرجہ اتم موجود ہے۔ اس مضمون میں ناول ''دویہ بانی'' کا سرسری جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

تعارف (Introduction)

غضنفر کے ناولوں میں کرداروں کی بہتات نہیں، پلاٹ کی پیچیدگیاں نہیں، زبان کا سپاٹ پن نہیں بلکہ اسلوب کا نیا پن ہے۔ زیر مطالعہ ناول بھی اپنے اسلوبی خصائص کے اعتبار سے منفرد ہے۔اس کی شاعرانہ نثر میں ترنم اور موسیقیت کا وہ جادو ہے کہ پڑھنے والا اس کے سحر میں کھو جاتا ہے۔

''دِوّیہ بانی'' کی شاعرانہ زبان جس کی مثالیں ناول کے بیشتر صفحات سے دی جاسکتی ہیں، نہ صرف اپنا ایک انفرادی حُسن رکھتی ہے بلکہ ناول میں زبان و بیان کے تفاعل پر سوالیہ نشان بھی لگاتی ہے۔ناول کے مرکزی موضوع کی ترسیل ہندی آمیز شاعرانہ زبان کی متقاضی ہے۔ لہٰذا بظاہر سطح پر نظر آنے والی اجنبیت آخری تجزیے میں مانوسیت میں تبدیل ہوجاتی ہے۔

فنی اور فکری دونوں سطحوں پر غضنفر نے ''دِوّیہ بانی'' میں بعض نئے اور موثر فنی حربوں سے استفادہ کیا ہے جیسے موضوعاتی سطح پر دہشت ،تشدد اور آتنک کا خوفناک ہیولیٰ جسے ایک سانپ کے موتیف کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے۔شروع سے آخر تک رینگنے والا یہ سانپ اگر کچھ دور جا کر ہی ختم ہوجاتا تو یہ ناول کی کمزوری ہوتی لیکن فنکار نے آخر تک اس کو زندہ رکھا اور اُس مقام پر مارا ہے جہاں اُسے مرنا چاہئے۔ یہ اختتام نہ تو سانپ کا ہے اور نہ ہی بابا کا بلکہ یہ ایک غلط روایت کی موت کا استعارہ ہے۔لہٰذا مذکورہ ناول اپنے استعاراتی نظام کے اعتبار سے بھی ایک اہم ناول ہے۔

ناول ''دویہ بانی'' کا سرسری جائزہ :

''دِوّیہ بانی'' استعارہ ہے علم و آگہی کا ،شخصیت کی شناخت اور ذات کے عرفان کا جس کی مقناطیسی قوت سے انسان میں شعور پیدا ہوتا ہے اور وہ اچھے بُرے کی تمیز کرسکتا ہے۔شخصی مفاد، بغض اور عناد، غلط روایات کو جنم دیتے ہیں اور پھر اُن سے وابستہ اندھی تقلید نسلوں کو تباہ و برباد کردیتی ہے اور انہیں جہالت کی تاریکیوں میں ڈھکیل دیتی ہیں۔صدیوں کی اس تلخ حقیقت کو غضنفر نے مذکورہ ناول میں استعاراتی انداز میں بیان کرتے ہوئے طبقاتی امتیاز اور بھید بھاؤ کی بیخ کنی کی ہے۔اس اعتبار سے ہم اسے ظلم اور مظلومی کے درمیان ازل سے جاری آویزش کا ایک طویل استعارہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ استعارہ اس حد تک وسیع ہوگیا ہے کہ یہ دلتوں کے مسائل و مصائب تک محدود نہ ہوکر اندھیرے میں سانس لینے والے ہر شخص کی علامت بن جاتا ہے۔ناول کی استعاراتی معنویت کو سمجھنے کے لئے ناول میں بیان کردہ بعض مرئی حوالوں مثلاً ''نالے'' اور ''ندی'' پر غور کرنا ضروری ہے۔'نالا' استعارہ ہے اُس مظلوم طبقے کا جس کی زندگی ٹھہری ہوئی ہے۔یہ نالا چھوٹی چھوٹی موریوں سے نمو پذیر ہونے کے باعث اور زیادہ بدبودار ہوگیا ہے۔ندی اُس طبقہ کی زندگی کا استعارہ ہے جو صاف شفاف، رواں دواں ہے۔نالے میں نہانے سے انسان پر گندگی اس طرح مسلط ہوجاتی ہے کہ اس کے حواس مختلف ہوجاتے ہیں۔اچھے بُرے کی تمیز ختم ہوجاتی ہے اور جنسی احساس بھی سرد پڑ جاتا ہے۔ندی اس کے برعکس ہے۔اپنے لئے ندی کا انتخاب کرنا اور دوسروں کو نالے میں زندگی گزارنے پر مجبور کرنا اس بات کا غماز ہے کہ اعلیٰ ذات کے لوگ ایک بہت بڑے طبقہ کو گندگی میں ڈھکیل کر انہیں بے حس Insensitive کردینا چاہتے ہیں اور خود ندی کو اپنے لئے مخصوص کرکے اپنی حسیات کو زیادہ شدید بنا کر رکھتے ہیں۔ایک بڑی آبادی کو دِوّیہ بانی سے محروم رکھنے کا واضح مقصد یہ بھی ہے کہ یہ جس Sense کو تیز کرتی ہے اگر نچلے طبقے نے اسے پڑھ لیا تو اس کا Sense بھی Develop ہوسکتا ہے اور وہ نالے سے نکل کر ندی کی طرف بڑھ سکتا ہے اور اس طرح فطرت کے دامن میں جولاں زوال دولت چھپی ہوئی ہے اور زندگی گذارنے کا جو گُر پوشیدہ ہے اس کا راز بھی اس پر منکشف ہوسکتا ہے۔

ندی ،نالا، مٹی ، پہاڑ وغیرہ کے منظر کے بعد جو اصل منظر اُبھرتا ہے اُس میں بالک نے بالو کے اندر دِوّیہ بانی کے توسط سے ایسی دانش بھردی ہے جس سے احساس وشعور کی کھڑکیاں کھلتی ہیں، تازہ ہوا آتی ہے ،اندھیرا دور ہوتا ہے، گندگی صاف ہوتی ہے۔یہ منظر بالو کے گھر میں دیکھا جاسکتا ہے جہاں دیر تک دِوّیہ بانی کے بول :

''بالو کے کانوں میں گونجتے رہے۔وہ انہیں غور سے

سُنتا رہا۔اس کی نگاہیں ادھر اُدھر پھرتی رہیں۔اچانک اُس کے اندر ایک اضطراری کیفیت پیدا ہوئی۔وہ اُٹھ کر تیزی سے آگے بڑھا۔طاق سے چھینی اور ہتھوڑا اٹھا کر دیوار تک پہنچا۔دیوار چھینی کوٹکایا اور چھینی پر ہتھوڑا مارنا شروع کر دیا۔''

یہ منظر اُس وقت اور شفاف ہو کر دکھائی دیتا ہے جب بالیشور زخمی اور مضطرب بالّو کو دیکھنے اُس کے گھر پہنچتا ہے۔واپسی پر اس کی نظر بالّو کی کوٹھری کی دیوار سے ٹکراتی ہے جس میں کھڑکی کھل گئی تھی۔چند لمحوں تک اُس کی نگاہیں کھلی ہوئی کھڑکی پر مرکوز رہتی ہیں اور اُس سے آنے والی ہوا کا لمس محسوس کرتی ہیں۔کوٹھری سے نکل کر آنگن میں آتے ہوئے بالیشور یہ بھی محسوس کرتا ہے کہ بالّو کا آنگن اب پہلے والا آنگن نہیں رہا۔اسی لئے مفاد پرست طبقہ،بھولے بھالے لوگوں کو دِوّیہ بانی سننے نہیں دیتا کہ مذکورہ بالا منظر ہر آنگن میں نظر آسکتا ہے اور اگر ایسا ہوا تو ان کا وجود خطرے میں پڑسکتا ہے۔

برسہابرس سے روا رکھے گئے اس وحشیانہ سلوک نے ان مجبور لوگوں کو بدترین حالات کا شکار بنادیا۔یہ خدمت گار طبقہ جو رفتہ رفتہ بے حسی کا شکار ہو گیا،اسی پر ان گنت عتابوں کا نزول ہوا اور ایک وقت تو ایسا آیا کہ یہ طبقہ نہ تو مقدس کتابوں کو چھونے کا مستحق رہا اور نہ مندروں میں داخل ہونے کا۔تعلیم کا سوال تو ان کے لئے پیدا ہی نہیں ہوتا۔پینے کا پانی بھی ان کے لئے ایک مسئلہ بن گیا۔چھوت چھات کے پیش نظر ہر بستی کے باہر ایک کنواں ان خدمت گاروں کے لئے مخصوص کر دیا گیا اور پھر ہر طرف سے تازہ ہوا کے دران کے لئے اس طرح بند کر دیئے گئے کہ ان میں حبس کا احساس بھی جاتا رہا۔ڈاکٹر غضنفر نے اس طبقاتی درجہ بندی اور اس میں پروان چڑھنے والی لاقانونیت کو نہایت عمدگی اور تازگی کے ساتھ،دِوّیہ بانی میں پیش کیا ہے۔

ناول کا ایک اہم کردار بالّو ہے جو ذات کا چمار ہے۔ اُسے علم ہے کہ دِوّیہ بانی سننے کی پاداش میں اس کے والد جھگرو کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈال دیا گیا تھا۔ایک اور کردار،اچھوت کنیا بندیا کا ہے جس سے بالیشور شادی کرنا چاہتا ہے لیکن جب بالیشور کو اس حقیقت کا علم ہوتا ہے کہ بابا کا بھی اس سے جنسی تعلق رہا ہے تو اُسے گہرا صدمہ ہوتا ہے۔ناول میں اس کردار کے بارے میں بہت کم لکھا گیا ہے پھر بھی یہ کردار اپنی پوری معنویت اور پھیلاؤ کے ساتھ اُبھرتا ہے اور دیر تک قاری کے ذہن پر چھایا رہتا ہے۔

''دِوّیہ بانی''میں استحصال کنندہ کی روایت بابا، معصومیت کا سمبل بالیشور اور استحصال پذیری کا نمائندہ بالو اور بندیا ہیں۔بالو دبا دبا،بجھا بجھا،سہا ہوا نظر آتا ہے جو خدمت گزار معاشرے کی نمائندگی کرتا ہے جبکہ بالیشور نہایت ذہین،عقلمند،باغیانہ رویہ رکھنے والا کردار ہے۔وہ نابرابری اور ناانصافی پر غور کرتا ہے۔اپنی بستی کی صفائی ور بالو کی بستی کی گندگی پر سوچتا ہے۔دونوں علاقوں کے برتاؤ کو محسوس کرتا ہے اور پھر وہ سارا سازشی نظام اس کی پریشانی کا سبب بنتا ہے۔اس مشکلات کا واحد حل بالیشور کو''دِوّیہ بانی'' کی شکل میں نظر آتا ہے اور پھر وہ اس حبس زدہ ماحول سے نجات کے لئے جتن کرتا ہے۔

ناول کا بغور مطالعہ کیا جائے تو کئی نکات اُبھرتے ہیں جیسے یہ منظر قاری کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔ ہون کنڈ میں اناج گھی تیل جلوایا جارہا ہے۔برہمن کے علاوہ باقی سب اس میں یہ چیزیں ڈال رہے ہیں۔اس منظر کے پیچھے جو حقیقت ہے اس کی طرف غضنفر کی زبردست گرفت ہے یعنی کسی کو تباہ کرنا ہو یا کسی کو ہمیشہ کے لئے اپنا تابعدار بنانا ہو تو اس کی Economy کو تباہ کر دیا جائے اور وہ بھی اس طرح کہ جس کی معیشت تباہ کی جارہی ہو اُسے اس کا احساس بھی نہ ہو۔یہ ہوشیاری برہمنی فکر کی انتہا ہے۔ محنت کشوں کا ایک بڑا حصّہ اگنی دیوتا کے نام پر تباہ کروادیا جاتا ہے پھر ایک حصّہ دکشنا کے نام سے لے لیا جاتا ہے۔دانش کا کمال وہاں بھی نظر آتا ہے۔ جہاں ٹولیاں/مکانات بنتے ہیں۔غضنفر نے کافی تفصیل سے دونوں ٹولوں کو بیان کیا ہے۔تفصیلی بیان سے شاید یہ دکھانا مقصود ہے کہ دانش مند جب اپنا مکان/ٹھکانا بناتا ہے تو صحت کے تمام اصول سامنے رکھتا ہے اور عقل و دانش سے محروم لوگوں کی آبادی ویسی ہی نظر آتی ہے جیسی چمٹولی میں دکھائی گئی ہے۔قواعد کے اعتبار سے ٹولے کو بڑا اور ٹولی کو چھوٹا ہونا چاہیے لیکن تکنیک کی یہ ایک بڑی خوبی ہے کہ مکانوں کی تفصیلات کے بیان سے ٹولہ ٹولی میں بدل گیا ہے۔

ماحصل :

''دِوّیہ بانی'' ہمارے روایتی ناول کی تکنیک سے مختلف نظر آتا ہے۔یہ نہ صرف فضا،ماحول،لفظیات اور فرہنگ کی وجہ سے روایتی ناول سے بڑی حد تک مختلف ہے بلکہ اس نے فکشن کے قائم کردہ تصور کو منہدم کرنے کی کوشش کی ہے۔اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ ناول میں حقیقت نگاری کے نام پر زندگی کی ایک رُخی تصویر پیش کی جاتی ہے۔جب کہ زندگی تو قول محال اور تضادات سے عبارت ہے۔اس ناول میں واقعاتی سطح اور معنوی سطح پر قول محال کو تخلیقی طور پر استعمال کیا گیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ قصّہ کا ماحول اپنی قدامت کے باوجود عہد حاضر سے مربوط ہے۔ناول نگار''دِوّیہ بانی''میں فکر اور فن کے قائم کردہ تصور کو متزلزل کرنے کی کوشش کی ہے اور فکشن کے فن میں یہ ناول کچھ نئی جہتوں کا اضافہ کر کے،کچھ نئے سوالات قائم کرنے میں کامیاب ہوا ہے۔ ☆

پروین شاکر کا غزلیہ لہجہ

ڈاکٹر شفیعہ جمیل (منیر۔بہار)

خلاصہ (Abstract)

بیسویں صدی کی ابتدائی دہائیوں تک اردو کی کسی ایسی شاعرہ کا نام لینے میں تامل ہوا کرتا تھا، جس نے تخلیقی سطح پر اپنی منفرد پہچان بنائی ہو مگر آزادی کے بعد زہرا نگاہ، زاہدہ زیدی، ساجدہ زیدی، شفیق فاطمہ شعریٰ، کشور ناہید، فہمیدہ ریاض، پروین شاکر کے بعد دیگر شاعرات افق پر ابھریں۔ ہر ایک نے بڑی آن بان کے ساتھ اردو دنیا سے اپنا وجود منوایا اور شاعرات کے متعلق متداول تصور کو یکسر بدل دیا۔

تعارف (Introduction)

شاعرات میں پروین شاکر اس لحاظ سے ممتاز ہیں کہ ان کی فنکارانہ اٹھان اور تخلیقی برتاؤ سے اردو کی کلاسیکی شعری روایت کی توسیع ہوئی ہے۔ ان کا تخلیقی مزاج فن غزل سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے اور وہ غزل کے روایتی موضوعات، اسالیب اور ہیئت سے خوب واقف رہی ہیں۔ اس لئے ان کے تازہ کار، دل فریب اور لطیف محسوسات، نادر، دل سوز، تلخ اور شیریں تجربات کی رنگارنگ دنیا غزل میں سمٹ آئی ہے۔ مگر یہ رنگا رنگ دنیا صنف نازک کی ہے جہاں آسودگی اور تحفظ کی خاطر مضبوط سہارے کی تلاش بھی ہے، وصل کی سرخوشی بھی ہے اور فراق کی دل خراش سسکیاں بھی۔ 'خوشبو'، 'صد برگ'، 'انکار'، اور 'کف آئینہ' یا مجموعی طور پر 'ماہ تمام' کی غزلوں میں شاعرہ کے گوناگوں حسّی تجربات کا ایک لفظیاتی نگار خانہ ہے جو نسائی رنگ و نور سے جگمگا رہا ہے۔

پروین شاکر کی غزل گوئی :

پروین شاکر کی شاعرانہ انفرادیت کے جائزے کی ابتدا ان کی اس خود آگہی سے کی جاسکتی ہے کہ وہ صنف نازک کے وجود کو محض حسن و جمال کا سحر انگیز پیکر نہیں سمجھتیں، بلکہ ان کی کٹھنائیوں کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

حسن کے سمجھنے کو عمر چاہئے جاناں
دو گھڑی کی چاہت میں لڑکیاں نہیں کھلتیں

لڑکیوں کے دکھ عجب ہوتے ہیں، سکھ اس سے عجیب ہنس رہی ہیں اور کاجل بھیگتا ہے ساتھ ساتھ

اردو شاعری میں ہر قسم کے مردانہ فکر و خیال اور جذبہ و احساس کی ترجمانی ہوئی ہے۔ نسائی جذبات کے نازک گوشے بہت کم منعکس ہوئے ہیں پروین شاکر نے اس کمی کو پورا کیا ہے۔ پروین کے لہجے سے نا آسودگی بہت نمایاں ہے۔

ریت ہی ریت ہے اس دل میں مسافر میرے
اور یہ صحرا ترا نقش کفِ پا چاہتا ہے

پروین کے بے باکانہ لہجے سے غزل ایک نئے ذائقے سے آشنا ہوئی ہے اور یہ اس کی ماہیئت کے منافی بھی نہیں ہے۔ پروین بے حجابانہ انداز سے بلا جھجک راز درونِ دل کھولتی ہیں۔ ان کے حواس خمسہ بڑے بیدار ہیں۔ کبھی وہ حس شامہ اور حس باصرہ کے توسط سے حقیقت بیانی کرتی ہیں اور کبھی حس لامسہ کے سہارے۔ مگر ہر جگہ اسلوب کی سلاست سادگی اور پرکاری نیز خوشگوار امیجری سے فنکاری کا ایک مسرور کن گوشہ سامنے آتا ہے۔

یہ بات خوشبو کی طرح پھیل گئی
پیراہن میرا شکن تیری تھی

☆

وہ میرا تن چھوئے، من میں شعرا گائے
پیڑ کی ہریالی، بارش کے لمس میں ہے

اپنے ہمدم دیرینہ کے غیر فطری اور غیر متوقع رویے سے ان کے نسوانی تیور میلے بھی ہو جاتے ہیں اور تیکھے بھی۔

میں اس کی دست رس میں ہوں مگر وہ
مجھے میری رضا سے مانگتا ہے

پروین کے یہاں حس لامسہ کی آشنا آسودگی کا بہت لطیف پہلو عکس پذیر ہوا ہے۔ وہ اپنی تیز فہمی سے ان حسّی کیفیتوں کو فنکارانہ سانچے میں سمیٹ لیتی ہیں جو سرشار آشنائی اور اتصال سے ابھری ہیں۔ ان کیفیتوں کے بیان میں ایک نوع کی خود سپردگی اور سرخوشی آ گئی ہے۔ کمال یہ ہے کہ وہ جانے بوجھے ہوئے نرم اور شگفتہ لفظوں کی حسین ترتیب سے شعر کا جادو بھی جگا دیتی ہیں۔

دھنک دھنک مری پوروں کے خواب کر دے گا
وہ لمس میرے بدن کو گلاب کر دے گا

☆

رگ رگ میں اس کا لمس اترتا دکھائی دے
جو کیفیت بھی جسم کو دے انتہائی دے

☆

ان انگلیوں کا لمس تھا اور میری زلف تھی
گیسو بکھر رہے تھے تو قسمت سنو رگئی

پروین شاکر ایک آگ کے دریا میں ڈوبتی اور ابھرتی ہیں اور خط اٹھاتی ہیں۔ اس تجربے میں ان پر طرح طرح کے انکشافات بھی ہوتے ہیں۔ لمس کی کرشمہ سازیوں سے واسطہ پڑتا ہے، شامہ کی لپٹیں اٹھتی ہیں اور باصرہ موجود و موہوم حقائق کو ایک نقطے پر کھینچ لاتی ہے۔ وہ اپنے ان سجیلے محسوسات کو بڑی سادگی کے ساتھ رائج لفظوں میں سموتی جاتی ہیں۔ ان کے لہجے میں بے خودی، وارفتگی اور آسودگی چلی آتی ہے۔

سفر میں چاند کا ماتھا جہاں بھی دھندلایا
تری نگاہ کی زیبائی نے قیادت کی

☆

دعائیں یہی ہیں کہ تجھ کو تمام عمر پڑھوں
ہتھیلیوں پر ترا چہرہ ہو کتاب نہ ہو

مشرقی نسوانیت کی تمام نزاکتیں ان کی رگ و پے میں بسی ہوئی رہی ہیں۔ بسا اوقات ان نزاکتوں کی بڑی سچی اور محاکاتی تصویریں پیش ہوئی ہیں۔ عام بول چال کی

زبان سے ان تصویروں کا رنگ کچھ زیادہ ہی نکھر گیا ہے ۔

بس یہ ہوا کہ اس نے تکلف سے بات کی
اور ہم نے روتے روتے دوپٹے بھگو لئے

☆

میں سچ کہوں گی مگر پھر بھی ہار جاؤں گی
وہ جھوٹ بولے گا اور لاجواب کردے گا

عشق اپنی انتہائی منزلوں میں ایک مجبوری اور ایک لازمہ حیات بن جاتا ہے۔ پروین شاکر نے اس مقام پر اردو شاعری کے روایتی معشوق کو عاشق صادق کے روپ میں پیش کیا ہے جو دراصل ہندی روایت شعر کا اثر ہے ۔

رائے پہلے ہی بنالی تو نے
دل میں اب ہم ترے گھر کیا کرتے

پروین شاکر ایک بڑی فنکار رہی ہیں ۔ان کی فنکارانہ شخصیت ظاہری شخصیت پر پوری طرح حاوی ہے۔ وہ زندگی کے اتھل پتھل اور معمولات کے اتار چڑھاؤ سے بپھرتی نہیں ہیں اور نہ ان کے لہجے میں درشتی یا کھردراپن آیا۔ وہ کھری سچائیوں کا سامنا کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتی رہیں اور بڑی چابکدستی اور ہنرمندی سے ایسی سچائیوں کو کہیں نرم استقبالیہ رُخ دے دیتی رہیں اور کہیں دھیمے تخاطب یا خودکلامی میں ڈھالتی رہیں مگر ایک نوع کے ٹھہراؤ اور توازن کے ساتھ ۔

کیسے کہہ دوں کہ مجھے چھوڑ دیا ہے اس نے
بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی

☆

شام ہونے کو ہے اور آنکھ میں اک خواب نہیں
کوئی اس گھر میں نہیں روشنی کرنے والا

☆

کل رات ایک گھر میں بڑی روشنی رہی
تارا مرے نصیب کا تھا اور کھلا کہاں

پروین شاکر کی یہ وارفتگی شوق اور خود ضبطی تصوری ہی سہی، ہے بہت تحیر آمیز اور مسرت خیز ہے ۔

کمال ضبط کو خود بھی تو آزماؤں گی
میں اپنے ہاتھ سے اس کی دلہن سجاؤں گی

ایسا لگتا ہے کہ پروین کے محبوب میں شناخت حسن اور تمیز شخصیت کی بڑی کمی ہے ۔اس کی نظر کوتاہ اور سطحی ہے اور اپنی عاجلانہ طبیعت کی بنا پر وہ سنگ دلی کے ساتھ دوسری طرف توجہ مرکوز کر لیتا ہے۔ جس کی بنا پر پروین کو ایسی ٹھیس لگتی ہے کہ ان کی نرگسیت اور خود شناسی کا جذبہ برانگیختہ ہوجاتا ہے اور وہ ابل پڑتی ہیں۔ تقابل کرتے ہوئے ان کے لہجے میں ایک طرح کا سپاٹ پن آجاتا ہے ۔

لوٹا ہے وہ پچھلے موسموں کو
مجھ میں کس رنگ کی کمی تھی

☆

وہ مجھ کو چھوڑ کے جس آدمی کے پاس گیا
برابری کا بھی ہوتا تو صبر آجاتا

ہندوستانی عورت کا یہ روپ بہت دل فریب ہے کہ برہا میں اشک بار رہنے کے باوجود من مندر میں آشاؤں کے دیپ جلائے رکھتی ہے اور محبوب کی آرتی اتارتی رہتی ہے۔ ان شعروں کا لفظ لفظ اس اٹوٹ لاگ اور لگاؤ سے لبریز ہے ۔

بس ایک ریت کا ذرّہ بچا تھا آنکھوں میں
ابھی تلک جو مسافر کا راستا دیکھے

☆

رفاقتوں کا مری ، اس کو دھیان کتنا تھا
تمام رات مری خواب گاہ روشن تھی

☆

خواب میں بھی تجھے بھولوں تو روا رکھ مجھ سے
وہ رویہ جو ہوا کا خس وخاشاک سے ہے

عشق کی خاکستر سے جب بھی کوئی چنگاری پھوٹتی ہے، عاشق کی اثبات پرست طبیعت سے توانائی لیتی ہوئی پل بھر کے لئے ایک رنگین اور حسین لکیر کھینچ دیتی ہے ۔

کتر کے جال بھی صیاد کی رضا کے بغیر
تمام عمر نہ اڑتی ، اسیر ایسی تھی

ترک تعلق اور حوصلہ شکن ماحول سے بسا اوقات پروین شاکر مایوسیوں کی اتھاہ گہرائیوں میں گم ہونے لگتی ہیں۔ انہیں ہر چیز ہاتھ سے نکلتی محسوس ہوتی ہے۔ اس مرحلے میں ان کی مخصوص دھیمے لہجے پر حزن وملال کی دھند چھا جاتی ہے جس کی تہہ میں پچھتاوا بھی ہے۔

ماحصل : پروین شاکر کے فکری تناظرات خاصے پھیلے ہوئے ہیں۔ انہیں دو حصوں میں بانٹا جاسکتا ہے۔ پہلے میں عشق کی سرخوشی، نازک واردات قلب اور برہا کا سوز ہے اور اس پر پروین کی ذاتی زندگی اور نسائیت کی گہری چھاپ ہے ۔ان کا فنکارانہ برتاؤ ہر جگہ بڑا متوازن ، ہموار اور رچا ہوا ہے۔ مروج سلیس اور رواں الفاظ اور تراکیب سے ایک دھیما، نرم، ہموار اور تراشیدہ لہجہ ابھرتا ہے جس کی تہہ میں ایک نشاط آفریں حزنیہ لے بھی ہے۔ دوسرے حصے میں سیاسی پینترا بازی، سماجی الٹ پھیر اور تہذیبی گراوٹ کے سبب سامنے آنے والی کھری سچائیوں کی خونچکاں حکایت ہے۔ جسے پیش کر کے پروین شاکر نے اپنے عہد کی تہذیبی اور سماجی تاریخ لکھ دی ہے۔ جس سے ان کے ذہن ونظر کے پھیلاؤ کا اندازہ ہوتا ہے۔ مگر فطری میلان سے زیادہ مناسبت نہ رکھنے کی بنا پر ان کا فنکارانہ جوہر زیادہ کھل نہیں سکا۔ اکثر لہجہ قدرے غیر غزلیہ، سپاٹ اور روکھا پھیکا ہوگیا ہے۔ اس لئے یہ حکم لگایا جاسکتا ہے کہ پروین شاکر کا اصل غزلیہ لہجہ نادر نسائی جذبات واحساسات کی ترجمانی میں نمایاں طور پر ابھر کر سامنے آیا ہے ۔اس میں بھرپور ہمواری، توازن، وقار، سادگی، نرمی اور روانی ہے۔ اس کی لفظیاتی سجاوٹ میں نسائی حسن ہے اور اس کی تہہ میں دھیمی دھیمی دبی دبی اور بڑی مدھر حزنیہ لہر ہے جو پورے تاثر کو اداس بھی بناتی ہے اور سہانا بھی۔ اپنے ہمعصر شاعروں کے درمیان اسی غزلیہ لہجے کی بنیاد پر پروین شاکر کی ایک منفرد ومخصوص فنکارانہ پہچان ہے۔ ☆☆☆

پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی: بچوں کے ادیب

ڈاکٹر محمد پرویز (بھاگل پور۔ بہار)
موبائل : 7870304445

پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی کا شمار اردو ادب کے ان نامور ادیبوں میں ہوتا ہے جنہوں نے ادب کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ڈاکٹر وزیر آغا کے مطابق :

''دورِ جدید میں اردو کے ادبی اُفق پر بحیثیت بچوں کے ادیب پروفیسر مناظر عاشق صاحب ایک ایسے درخشاں ستارے کی مانند ہیں جن کی روشنی ادب کی ہر سمت پر چھائی ہوئی نظر آتی ہے۔وہ گزشتہ 45 سالوں سے اپنی خدمت بچوں کے ادیب کی حیثیت سے انجام دے رہے ہیں۔''

اس مختصر مضمون میں پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی کا بچوں کے ادیب کی حیثیت سے جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

تعارف (Introduction)

ادب اطفال کی اہمیت و افادیت اور اس کی ضرورت سے سبھی واقف ہیں۔بقول ''بچوں کے لئے لکھنا بچوں کا کھیل نہیں ہے، مگر بچوں کے ادیب مناظر صاحب کے لئے یہ کھیل بچوں کا کھیل ہی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ درس و تدریس سے جڑے رہنے کی وجہ سے ان کی زندگی کا زیادہ تر وقت بچوں کے درمیان گذرا ہے۔اسی لئے ان کو بچوں کی تعلیمی ضروریات، نفسیاتی تقاضوں، فطری ذوق اور ذہنی استعداد سے پوری طرح واقفیت حاصل ہے۔انہوں نے ہر عمر کے بچوں کے لیے مختلف موضوعات پر بہت سارے ناول اور کہانیاں لکھی ہیں۔

مناظر عاشق ہرگانوی بچوں کے لئے 1965ء سے لکھ رہے ہیں۔ ۱۹۷۵ء سے ان کی کتابوں کی طباعت کا سلسلہ شروع ہوا۔انہوں نے بچوں کے لئے بہت سے ناول اور کہانیوں کا مجموعہ اور تنقیدی کتابیں لکھی ہیں۔ جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے : ناول ''اغوا'' ''کھیل ہی کھیل میں''، ''گدھ کے پنجے''، ''جنگل کے ڈاکو''، ''ملاّ نابالغ''، ''فیصل کی جاسوسی''، ''جنگل کی پہچان''، ''قتل کا کھیل''، ''جنگل را پچان''، ''شکار اور شکاری''، ''فیصل کے راجاسوسی''، ''ایمانداری کا پھل''، ''بینک لوٹنے کا پروگرام''، ''انمول موتی''، ''عدنان کا جاسوسی کارنامہ'' شامل ہیں۔ کہانیوں کے مجموعے میں دوستی (۱۹۷۹)، کھوٹا سکّہ، میٹھا گیت، اصلی نقلی بریشہ، جیسے کو تیسا (اس مجموعے پر ساہتیہ اکادمی ایوارڈ ۲۰۱۲ء مل چکا ہے)، ملاّ نابالغ کے جاسوسی کارنامے، پاپا ایسا نہیں ہوگا، ہم دونوں کی غلطی اور جمعرات کے بعد سنیچر (۲۰۲۰ء) شامل ہیں۔تنقید میں ''اردو میں بچوں کا ادب'' (۲۰۱۵ء)، ''میر تقی میر: بچوں کے شاعر'' مرزا محمد رفیع سودا: بچوں کے شاعر'' سعادت حسن منٹو: بچوں کے کہانی کار'' عزیز احمد: بچوں کے ناول نگار'' اور'' ایم اسلم : بچوں کے ناول نگار'' شامل ہیں۔

مناظر عاشق ہرگانوی بحیثیت ادیب اطفال :

مناظر عاشق ہرگانوی کی کتابوں کی جو تفصیل دی گئی ہے اس کو صرف بچے ہی نہیں بلکہ ہر عمر کے قارئین پوری دلچسپی کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

''جیسے کو تیسا'' کی پہلی کہانی ''بیٹے نے بتایا'' کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو :

''میں آپ کا مطلب سمجھتا ہوں۔'' اطہر نے اطمینان بھری آواز میں کہا، ''ہم اکیسویں صدی میں جی رہے ہیں۔آج ہر چیز تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہی ہے۔بات کرنے، سوچنے اور مخاطب کرنے کا طریقہ بھی بدلنا چاہیے۔''

''لیکن بیٹا تہذیب، آداب و مراتب کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔ان کے بغیر تعلیم ادھوری ہے۔''

''زمانہ نئے پن کی تلاش میں ہے۔ریت رواج اور طور طریقے میں نیا پن نہیں ہے۔''

''فرق اور امتیاز ہے، بھید بھاؤ ہے، دراصل انسانیت کی خدمت کی تلقین ہی سب کچھ ہے۔زہد و عبادت اور جہاد و عمل کی تعلیم سے زمانہ کبھی خالی نہیں رہا ہے بس فرائض و واجبات کو سمجھنا ہے تاکہ زندگی کے مختلف پہلو اجاگر ہو جائیں۔''

''یہ کتابی باتیں ہیں۔آج ہم انٹرنیٹ کے ساتھ جی رہے ہیں اور سائنس کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں۔'' (کتاب 'جیسے کو تیسا' بیٹے نے بتایا، ص ۷)

کہانی ''جیسے کو تیسا'' کا اقتباس ملاحظہ ہو :

''اس نے بھی پہلے رمضان کو روزہ رکھ لیا۔اندھے گدھ نے اسے اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ سارا دن نہ تو کچھ کھانا ہے اور نہ ہی پینا ہے۔

مگر دوپہر ہوتے ہوتے لومڑی کی بھوک چمک اٹھی۔ وہ ٹہلتے ٹہلتے ندی کے کنارے تک نکل گئی۔ادھر اُدھر دیکھ کر اس نے جلدی جلدی پانی پی لیا۔لیکن بھوک میں کمی نہیں ہوئی تو گاؤں کی آبادی کے قریب چلی گئی اور تاک میں بیٹھ گئی۔ پھر ایک مرغ اس کے چنگل میں آ ہی گیا۔اس کی گردن مروڑ کر منہ میں دبا کر وہ اسے اپنے غار میں لے آئی۔ ('جیسے کو تیسا' ص:۴۹)

جیسا کہ ہم جانتے ہیں بچوں کا ادب ایک حساس موضوع ہے۔آج کا زمانہ بہت تیزی سے بدل رہا ہے اور بدلتے وقت کے ساتھ بچوں کے ادب میں بھی تبدیلیاں ہو رہی ہیں۔ جیسے جیسے تہذیب و تمدن میں تبدیلیاں آتی ہیں بچوں کی نفسیات بھی متاثر ہوتی ہے۔آج دنیا ترقی کی طرف گامزن ہے جہاں جدید

سائنسی آلات، ایجادات اور جدید ٹیکنالوجی نے بچوں کی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا ہے۔ آج کے بچے پہلے کی طرح نہیں ہیں۔ آج ان کے پاس انفارمیشن کی کوئی کمی نہیں ہے۔ وہ ایک کلک سے دنیا بھر کی جانکاری حاصل کر لیتے ہیں۔ آج کا بچہ زندگی کے ہر میدان میں خود کو آگے رکھنا چاہتا ہے، کچھ نیا تلاش کرنا چاہتا ہے، نیا دیکھنا چاہتا ہے، نیا سننا چاہتا ہے۔ ادیب کے لیے بہت بڑا مسئلہ ہے کہ بچوں کو نیا کیا دیا جائے۔ ایسے میں اگر ہم اطفال ادب کے ادیبوں پر نظر دوڑائیں تو مناظر عاشق ہرگانوی صفِ اول کے قلمکار نظر آتے ہیں۔ بچوں کے لیے لکھی گئی ان کی کتابیں چاہے وہ ناول ہوں، کہانیوں کے مجموعے ہوں یا تنقید ہو ان کی ذہنی و اخلاقی تربیت کا بہترین ذریعہ ہیں۔ اس طرح کی کتابوں سے بچوں میں کتب بینی کا ذوق وشوق پیدا ہوتا ہے جو عمر بھر ان کے کام آتا ہے۔

''جمعرات کے بعد سنیچر'' میں شامل کہانی ''نیکی کا سفر'' کا اقتباس دیکھئے :

''نوجوان پھر آگے بڑھ گیا۔ ابھی کچھ ہی دور گیا تھا کہ اس نے ایک گھوڑے کو زمین پر پڑا پایا۔ تین آدمی اسے گھیرے بیٹھے تھے۔ لگتا تھا گھوڑا مر گیا ہے۔ نزدیک جا کر نوجوان نے پوچھا ''کیا بات ہے؟'' وہ بولے ''ہم اس گھوڑے پر سامان لاد کر چل رہے تھے۔ نہ جانے کیا ہوا۔ یہ گر پڑا۔ اب اٹھتا ہی نہیں۔''

نوجوان سوچنے لگا، جب تین ہٹے کٹے کچھ نہیں کر پائے تو وہ کون سا تیر مار لے گا۔ پھر بھی وہ گھوڑے کے پاس گیا۔ اس کی آنکھوں میں جھانکا، جہاں اسے عجیب سی کیفیت نظر آئی۔ وہاں بے بسی تھی اور التجا تھی۔ نوجوان سب کچھ سمجھ گیا۔ وہ ان تینوں سے بولا ''اگر چاہو تو یہ گھوڑا مجھے بیچ سکتے ہو، میرے پاس قیمتی کپڑے کے تین تھان ہیں۔ بدلے میں لے لو۔''

وہ فوراً راضی ہو گئے۔ انھوں نے گھوڑا نوجوان کے حوالے کر دیا اور تھان اور اپنا سامان لے کر راستے پر ہو لئے۔ ان کے جانے کے بعد گھوڑا اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ بات یہ تھی کہ وہ بوجھ سے مرا جا رہا تھا۔ اب بوجھ ہٹتے ہی ٹھیک ہو گیا تھا۔ نوجوان خوش خوش اس کی پیٹھ پر سوار ہو گیا۔ (صفحہ نمبر۔۱۷)

مناظر عاشق ہرگانوی صاحب نے بچوں کے لئے جتنے بھی ناول لکھے ہیں فن پر پورا اُترتے ہیں۔ انھوں نے اب تک کے ادبی سفر اور اپنے تجربات و مشاہدات کا نچوڑ پیش کیا ہے۔ یقیناً بچوں کے لیے ان کے ناول ادبی سرمایہ میں اضافہ ہیں۔

ماحصل :

مناظر عاشق ہرگانوی کے بچوں کے لیے تخلیق کردہ گیارہ کہانیوں کے مجموعے منظر عام پر آئے ہیں۔ انھوں نے بچوں کی تربیت کے لئے کئی دلچسپ کہانیاں لکھی ہیں۔ ان کی ہر کہانی ایک خاص جہت کو محیط ہے۔ ان کی ہر کہانی کوئی نہ کوئی سبق ضرور دیتی ہے۔ وہ بچوں کی زبان میں کسی بھی واقعہ کو کہانی کا ایسا روپ دیتے ہیں جس میں بچوں کی دلچسپی بھی ہو اور وہ اس سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کوئی سبق کوئی نصیحت حاصل کر لیں۔ اگر ہم زبان و بیان کے تعلق سے بات کریں تو وہ بہت ہی سادہ اور رواں استعمال کرتے ہیں۔ انہوں نے چھوٹے چھوٹے خوبصورت جملوں سے عبارت کو رنگین اور دلکش بنانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

بقول پروفیسر جگن ناتھ آزاد : ''اردو میں بچوں کے ادب کی بڑی کمی ہے۔ نظم میں بھی، نثر میں بھی۔ ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کا شمار ان اہل قلم میں ہے جنہوں نے اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور کامیاب کوشش۔ بچوں کے لئے مناظر عاشق کے نثری ادب کی خوبی یہ ہے کہ بچے اسی سیدھی سادی اور دلکش زبان میں یہ کہانیاں پڑھ کے اسی زبان میں دوسروں کو سنا سکتے ہیں۔ بیان کی دلکشی مناظر عاشق کی ان کہانیوں کی ایک قابل ذکر خصوصیت ہے۔''

پروفیسر گیان چند کے مطابق :

''بچوں کی کہانیوں میں مناظر عاشق نے زیادہ توجہ استعجاب آفرینی اور اخلاقی تلقین پر دی ہے۔ فوق الفطری کہانیوں میں دلچسپی اور تفنن ہوتا ہے۔ مناظر صاحب اس کے بجائے اخلاقی رہنمائی کی راہ پسند کرتے ہیں اور اس کی افادیت سے کسے انکار ہو سکتا ہے۔ لیکن افادیت کے باوجود یہ کہانیاں دلچسپی سے معرا نہیں۔''

مشاہیر کی آراء سے اندازہ ہوتا ہے کہ مناظر عاشق ہرگانوی بچوں کے لیے لکھنے کے عمل سے جب گزرتے ہیں تو معنی خیزی کو راہ دیتے ہیں۔ نیا و تازہ، انفرادی انداز اپناتے ہیں اور بچوں کی ذہنی سطح، نفسیات اور ان کی دلچسپی کو سامنے رکھ کر زندگی کو پرکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ معنی کے حصار میں رہ کر قارئین کو محظوظ کرانے کی صفت مناظر عاشق ہرگانوی میں بدرجہ اتم موجود تھی۔

☆☆☆

Water Proofing
ایسا نہ ہو کہ بادل سے زیادہ چھت ٹپکنے لگے
برسات کے موسم میں اپنے گھر کی چھت کو ٹپکنے سے بچانے کے لئے ہماری خدمات حاصل کیجئے۔
رابطہ قائم کریں : محمد اختر خان
9822059723, 8793751113
Shino Paints
Aurangabad.

قصیدۂ حضرت شاہ نعمت اللہ ولیؒ کا سرسری جائزہ

ڈاکٹر نرگس بانو (آرا۔بھوجپور)
موبائل : 7250671545

☆ خلاصہ (Abstract)

قصیدۂ حضرت شاہ نعمت اللہ ولیؒ آٹھ سو سال قبل تخلیق کردہ ایک فارسی قصیدہ ہے جس میں حضرت شاہ نعمت اللہ ولیؒ نے آنے والے اہم واقعات بیان کئے جو سچ ثابت ہوئے۔اس مختصر مضمون میں اس قصیدے کا سرسری جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

☆ تعارف (Introduction)

قصیدۂ حضرت شاہ نعمت اللہ ولیؒ آٹھ سو سال پہلے تخلیق ہوا ہے۔ اس قصیدے میں اس زمانے سے لے کر مستقبل میں ظہور ہونے والے امام مہدی تک کے واقعات بیان کئے گئے ہیں۔اس قصیدے میں ایسے کئی اہم واقعات مذکور ہیں جن کا ظہور ہو چکا ہے اور ایسے واقعات کا بھی ذکر ہے جن کا ابھی ظہور ہونا باقی ہے۔ اس کتاب کو انگریزوں کی حکومت میں ممنوع قرار دے کر ضبط کرلیا گیا تھا، بعد میں اردو جریدہ ''ایکسپرٹ'' نے اسے ۱۹۷۲ء میں دوبارہ شائع کیا۔ یہ قصیدہ فارسی زبان میں ہے اور اس میں سو کے آس پاس اشعار ہیں۔اس قصیدہ کو ۲۰۲۴ء میں پھر ایک بار سید ماجد جناح اور محمد عاجل عباسی نے مرتب کر کے ایشین کمپیوٹرس ، جونا بازار اورنگ آباد (مہاراشٹر) سے شائع کیا ہے۔قصیدہ شاعری کی وہ صنف سخن ہے جس میں شاعر کسی خاص موضوع پر اظہارِ خیال کرنے کا قصد کرتا ہے۔ فارسی میں قصیدے کو چامہ بھی کہتے ہیں۔ انسانی جسم میں جیسے مغز کو نمایاں مقام حاصل ہے، اسی طرح شاعری میں قصیدے کو اہمیت حاصل ہے۔ قصیدے میں زندہ انسانوں کی تعریف ہوتی ہے۔اردو میں پہلا قصیدہ دکن میں محمد قلی قطب شاہ نے ۱۶۱۱ء میں تخلیق کیا۔اس کے بعد اس کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔

☆ قصیدۂ حضرت شاہ نعمت اللہ ولیؒ کا سرسری جائزہ :

قصیدۂ حضرت شاہ نعمت اللہ ولیؒ ایک مختصر و جامع قصیدہ ہے جس میں آنے والے واقعات درج ہیں جو بعد میں رونما ہوئے ہیں۔ اس قصیدے کے متعلق نورالحسنین نے ایک جگہ تحریر کیا ہے :

''یہ قصیدہ قاری کے تجسس کو بیدار کرتا ہے اور اس کی عظمتوں کا اعتراف کرواتا ہے۔''

(نورالحسنین ۔ خاموش باش نعمت اسرارِ حق مکن فاش۔ قصیدۂ حضرت شاہ اللہ ولیؒ۔ مرتبین : سید ماجد جناح، محمد عاجل عباسی، ۲۰۲۴ء ص ۵)

قصیدے کا پہلا شعر ؎

پارینہ قصہ شویم از تاز ہند گویم
افتاد قرن دویم افتاد از زمانہ

(قدیم قصہ نظر انداز کر کے ہندوستان کے تازہ آنے والے واقعات بیان کرتا ہوں جو آئندہ زمانے میں پیش آئیں گے۔)

کچھ اشعار کے بعد یہ شعر ؎

بعد آن شود چو جنگے با روسیاں و جاپاں
جاپان فتح یابد بر ملک روسیانہ

(اس کے بعد روس اور جاپان میں جنگ ہوگی، جاپان کو روس پر فتح حاصل ہوگی۔)

اس کے بعد یہ شعر ہے ؎

تقسیم ہند گردد در دو حصص ہویدا
آشوب و رنج پیدا از مکر از بہانہ

(ہندوستان کی تقسیم دو حصوں میں ہوگی، مکر و فریب سے ہندوستان میں پریشانی و تفکرات پیدا ہوں گے۔)

قصیدے کے اس طرح کے تمام اشعار کے مطابق سبھی واقعات رونما ہو چکے ہیں جو اس وقت تاریخ کا حصہ ہیں اور جو واقعات ہو رہے ہیں اس کے متعلق یہ شعر دیکھئے ؎

رہبرِ مسلماناں در پردہ یا اینان
امداد دادہ باشد از عہد فاجرانہ

(مسلمانوں کے لیڈر جو در پردہ مسلمانوں کے دشمن کے دوست ہوں گے ان سے سازش کریں گے اور اپنے فاجرانہ عہد کے مطابق ان کی مدد کریں گے۔)

جو واقعات رونما ہونے والے ہیں اس سے متعلق ایک واقعہ پر مبنی یہ شعر دیکھیں ؎

کشتہ شوند جملہ بدخواہ دین و ایماں
خاق نماید اکرام از لطف خالقانہ

(دین اور ایمان کے تمام بدخواہ مار دیئے جائیں گے اور خداوند کریم اپنا کرم نازل فرمائے گا۔)

اس قصیدے کا آخری شعر یوں ہے ؎

خاموش باش نعمت اسرار حق مکن فاش
در سال کنت کنزاً باشد چنیں بیانہ

(نعمت خاموش ہو جا اور خدا کے رازوں کو آشکار مت کر جب سال کنت کنزاً آئے گا اس وقت ایسا ہوگا۔)

☆ ماحصل :

قصیدۂ حضرت شاہ نعمت اللہ ولیؒ میں ہندوستان اور دنیا کے دیگر ملکوں کے عروج و زوال کے ہونے والے قصے بیان کئے گئے ہیں۔اس میں پہلی جنگ عظیم، دوسری جنگ عظیم ، انگریزوں کی حکومت اور تقسیم ہند کے ہونے والے واقعات کا بیان ہے۔ یہ قصیدہ بہت پہلے تخلیق ہوا اور واقعات بہت بعد رونما ہوئے۔ یہی بات اس قصیدے کو عجیب و غریب بناتی ہے۔ یہ قصیدہ انتہائی مختصر ہے اسے ایک نشست میں آسانی سے پڑھ سکتے ہیں۔قصیدہ نہایت دلکش و معیاری ہے۔ ☆

ہم عصر اردو افسانے کی معتبر نسوانی آوازیں

رقیہ خانم
(ریسرچ اسکالر)
Roqaiya Khanam (Reaserch Scholar)
Magadh University,Bodh Gaya

اردو افسانوی ادب پر جب ہم نگاہ ڈالتے ہیں تب یہ بات سامنے آتی ہے کہ خواتین افسانہ نگار بھی اردو افسانے کو فروغ دینے میں اپنی قلمی معاونت دے رہی ہیں۔ان کی کہانیاں ہر پہلو سے اپنی انفرادیت کا لوہا منوانے میں کامیاب نظر آرہی ہیں۔جن کی اہمیت وافادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔زندگی کے مختلف شیڈس ان کہانیوں میں موجود نظر آتے ہیں۔ اس کی خاص وجہ ہے کہ اپنی مشاہداتی قوت اور تجربے کی بنیاد پر خواتین افسانہ گاروں کو زندگی اور معاشرے کے مختلف مسائل کو کہانیوں کا حصہ بنانے میں مہارت حاصل ہے۔مطلب یہ کہ متنوع موضوعات کی پیشکش کے حوالے سے ان کی کہانیاں اپنی منفرد شناخت رکھتی ہیں آج یہ کہانیاں دلچسپی کے ساتھ پڑھی جارہی ہیں۔ خواتین افسانہ نگاروں میں ایک اہم نام شہناز فاطمی کا ہے۔ان کا افسانوی مجموعہ ''چراغ تہہ داماں'' (۲۰۱۶) میں منظر عام پر آکر داد تحسین حاصل کرچکا ہے۔اس مجموعہ میں کل ۲۵/افسانے ہیں۔تمام افسانے سماج کی حقیقت سامنے لانے میں معاون ومددگار ہیں۔شہناز فاطمی اپنے گروو پیش کے مسائل کو حقیقی پس منظر میں پیش کرنے میں دسترس رکھتی ہیں۔ان کی فنی اختصاص کے حوالے سے یہ اقتباس ملاحظہ کیجئے :

''ڈاکٹر شہناز فاطمی کی علمی اور ادبی خدمات گذشتہ چار دہائیوں پر محیط ہے۔ان کا تعلق چوں کہ درس وتدریس سے رہا ہے اس لئے ان کے افسانے میں صالح مقصدیت ہر جگہ موجزن نظر آتی ہے۔''

(بہار کی خواتین افسانہ نگار، رخسانہ جمیل، ص ۲۵)

اس مجموعے کے تمام افسانے اس بات کا انکشاف کرتے ہیں کہ شہناز فاطمی کی نگاہ سماج اور اس کے رطب ویاس پر مستقل رہتی ہے اور انہوں نے ان منظر ناموں کو قید کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ان کی کہانیوں کے موضوعات گھر اور پاس پڑوس کے لوگ ہوتے ہیں۔

قمر جہاں نے افسانے میں ہجرت کے مسائل کے ساتھ ساتھ ہندو پاک کے آپسی رشتے کی حقیقت پر بھی روشنی ڈالی ہے۔وہ کہتی ہیں کہ تقسیم ہند کے اتنے سالوں بعد بھی حالات جوں کا توں ہیں۔ہجرت کے موضوع پر قمر جہاں کا تحریر کردہ افسانہ ''اجنبی دیار'' بھی کافی اہمیت رکھتا ہے۔اس افسانے کے علاوہ ''وہ لڑکی''، ''دہشت گرد''، ''کٹی پتنگ'' بھی ان کی بہترین کہانیاں ہیں۔یہ کہانیاں قمر جہاں کے نظریہ فکر اور فنی دسترس کا ثبوت فراہم کرتی ہیں۔قمر جہاں افسانہ نگاری کو وسعت عطا کرنے میں محو قلم ہیں۔امید ہے کہ آئندہ بھی وہ ہمیں اپنی بہترین کہانیوں سے نوازیں گی۔

خواتین افسانہ نگاروں میں پروین شیر کا نام بھی خاصا اہم ہے۔ان کا افسانہ ''نیلا لفافہ'' ان نوجوانوں پر لکھا گیا ہے جو ذریعہ معاش کی خاطر اپنے وطن کو خیر باد کہہ دیار غیر میں قیام پذیر ہوجاتے ہیں۔پروین شیر نوجوانوں کی اس بے وطنی کو بھی ہجرت کی ہی ایک شکل تسلیم کرتی ہیں۔اس افسانے میں ان نوجوانوں کے والدین کی بے بسی اور محرومی پر بھی مزید روشنی ڈالی گئی ہے۔اس سلسلے سے افسانے کا یہ اقتباس دیکھئے :

''تم اس سے کہنا اب وہ واپس چلا آئے۔میں اس کے لئے بہت پریشان رہتا ہوں۔اس کو اپنے قریب رکھنا چاہتا ہوں۔اس کے خط کی راہ تکتے تکتے تھک گیا ہوں۔اس سے کہنا جلد از جلد وہ مجھے خط لکھ کر اپنی خیریت سے مطلع کرے۔جتنی جلد ہو سکے واپس چلا آئے۔اسے دیکھنے کو آنکھیں ترس رہی ہیں۔اس کی آواز کو کان ترس رہے ہیں۔اس عمر میں اس کے سہارے کی بہت ضرورت ہے۔''

افسانہ نیلا لفافہ، پروین شیر (بشمول ''کینڈا متحدہ ریاست امریکہ میں خواتین کی اردو خدمات) پروفیسر ڈاکٹر عبدالقادر غیاث الدین فاروقی، ص ۲۰۴)

پروین شیر نے اس افسانے میں راویہ اور افسانوی کردار بوڑھے کے ذریعہ ہجرت کے کرب کو پیش کیا ہے۔ پلاٹ اور واقعہ بیان کے حوالے سے بھی یہ بہترین افسانہ ہے۔

صوفیہ انجم تاج کا نام بھی افسانوی دنیا میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ان کا افسانہ ''یادوں کی دستک'' ماضی کی اہمیت کو بیان کرتا ہے۔

افسانے کی راویہ ماضی کی خوشگوار یادوں سے مطمئن اور خوش ہے۔وہ ان یادوں کو سہج کر رکھنا چاہتی ہے۔ اس سلسلے سے افسانے کا یہ اقتباس دیکھئے :

''وہ دور ہی اور تھا، وہ لوگ ہی اور تھے۔ ہر گھڑی دلچسپ گزرتی، ہر ساعت رنگوں سے بھرپور ہوتا۔خوش طبعی، خوش نگاہی، جان نثاری، جاں سپاری، توانائی، بیداری سے محفل سجی رہتی۔ ہار سنگار جوہی، بیلے اور رات کی رانی سے نسیم صبح اور شام کی ہوا لدی چندی ہوئی آتی اور جاتی رہتی۔''

افسانہ یادوں کی دستک صوفیہ تاج (بشمول ''کینڈا متحدہ ریاست امریکہ میں خواتین کی اردو خدمات پروفیسر ڈاکٹر عبدالقادر غیاث الدین فاروقی، ص ۳۰۹)

مختصر یہ کہ صوفی انجم تاج مادیت پرست، معاشرہ سے کافی افسردہ ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ماضی اور حال کا تقابلی مطالعہ پیش کرکے صوفیہ آج کے نامساعد حالات سے قارئین کو روشناس کراتی ہیں۔

(باقی صفحہ ۲۴ پر)

گوشۂ احمد اقبال

مختصر تعارف

بقلم خود

مکمل نام : شیخ احمد اقبال

والد : شیخ داؤد صاحب

قلمی نام : احمد اقبال

مقام پیدائش : اورنگ آباد

تاریخ پیدائش : ۵/نومبر ۱۹۴۰ء

تعلیمی لیاقت : ایم اے (اردو) باباصاحب امبیڈکر مراٹھواڑہ یونیورسٹی اورنگ آباد۔ بی ایڈ (مراٹھواڑہ کالج آف ایجوکیشن)

اساتذہ : نعیم الدین صاحب، ڈاکٹر علی جعفری، جاوید عصمت جاوید شیخ، شفیق فاطمہ شعریٰ، ڈاکٹر مجاہد حسین حسینی، جے پی سعید، اختر الزماں ناصر

ملازمت : (۱) مدرس (مولانا آزاد ہائی اسکول) (۲) صدر مدرس (مولانا آزاد ہائی اسکول خلد آباد) ۱۹۷۵ء تا ۱۹۷۷ء اور ۱۹۹۰ء (۳) پرنسپل: العرفان ریسیڈنشیل اسکول۔ ۲۰۰۲ء ☆ وظیفہ : ۱۹۹۸ء

علمی و ادبی خدمات :

☆ ایس ایس سی بورڈ میں پیپر سیٹر، اکزامنر، ماڈریٹر اور چیف ماڈریٹر۔ ۱۹۷۵ء تا ۱۹۸۵ء

☆ بال بھارتی (پونے) دکن ۲۰۰۷ء تا ۲۰۲۰ء

☆ سکریٹری اقبال اکیڈمی اورنگ آباد۔ ۱۹۸۷ء تا حال

☆ صدر ادارۂ ادب اسلامی ہند شاخ اورنگ آباد (مہاراشٹر) ۲۰۰۲ء تا ۲۰۰۴ء

☆ بال بھارتی نصابی کتب میں پانچ مضامین کی شمولیت

☆ ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر مراٹھواڑہ یونیورسٹی کے ایم اے اردو میں کتاب 'میرا شہر میرے لوگ' (جلد اول) کی بطور ریفرنس بک کی شمولیت۔

☆ رکن تعلیمی کمیٹی، المیر ہ ایجوکیشن اینڈ ویلفیئر سوسائٹی اورنگ آباد

☆ فاؤنڈر ممبر، نعیم خان اردو پرائمری اسکول اورنگ آباد

☆ رکن عالم گیر ادب اورنگ آباد

تصانیف :

(۱) میرا شہر میرے لوگ (جلد اول) ۱۹۹۸ء

(۲) میرا شہر میرے لوگ (جلد دوم) ۲۰۰۴ء

(۳) میرا شہر میرے لوگ (جلد سوم) ۲۰۲۲ء

(۴) گاہے گاہے باز خواں (انشائیے اور مضامین) ۲۰۲۲ء

☆ **زیر ترتیب :** میرا شہر میرے لوگ (جلد چہارم)

☆ ڈاکٹر عصمت جاوید شیخ صاحب کی متعدد کتب کی ترتیب و تہذیب اور اشاعت میں عملی حصہ

☆ انعام و اعزاز :

(۱) مہاراشٹر اردو اکیڈمی ایوارڈ بضمن ادبی خدمات

(۲) اعزاز بضمن اعتراف خدمات، منجانب عالم گیر ادب کتابی سلسلہ اورنگ آباد

(۳) اعزاز بضمن اعتراف خدمات منجانب وارثانِ حرف و قلم

☆☆☆

توشیحی نظم بنام احمد اقبال

ڈاکٹر یوسف صابر
(اورنگ آباد) 9326772575

ا اللہ کے سوائے کسی سے نہیں ڈرے
کہتے ہیں جن کو احمد اقبال ہیں کھرے

ح حق بات کے حامی ہیں حق بولتے ہیں یہ
میزان میں خود اپنا عمل تولتے ہیں یہ

م ممتاز لکھنے والے مستند ادیب ہیں
ہیں دل میں دوستوں کے یا دل سے قریب ہیں

د دکنی ادیب ، عاشقِ اردو ہیں یہ استاد
اسلم ، سراج ، وجد و ولی سب ہیں ان کو یاد

ا احسان دوستوں کا کبھی بھولتے نہیں
جھولے میں خوشامد کے کبھی جھولتے نہیں

ق قانون رہبری کا نہیں توڑتے کبھی
رستے میں ہمسفر کو نہیں چھوڑتے کبھی

ب باذوق سامعین میں ان کا شمار ہے
اردو ادب کی محفلوں سے ان کو پیار ہے

ا اچھے ہیں ، باادب ہیں ، بانصیب و وضعدار
مشفق ہیں ، غمگسار و ہمدرد و وفادار

ل لالچ نہیں ہے ان کو کوئی اور نہ ہی ہوس
جو بھی ملے نصیب سے بس اتنا ہی ہے بس

☆☆☆

''میرا شہر میرے لوگ'' کے لائق مصنف احمد اقبال

● ڈاکٹر عصمت جاوید شیخ

''میرا شہر میرے لوگ'' کے لائق مصنف جناب احمد اقبال صاحب کو میں ایک عرصے سے اور بہت قریب سے بھی جانتا ہوں۔ جب میں ۱۹۶۷ء میں ممبئی سے منتقل ہوکر اورنگ آباد پہلی بار آیا اور مجھے مراٹھواڑہ میں ایم اے جماعت کے طلبہ وطالبات کو پڑھانے کا کام تفویض ہوا تو سینئر ایم اے جماعت کی بیچ (Batch) میں احمد اقبال بھی شامل تھے۔ یہ تیس برس پہلے کی بات ہے لیکن اس زمانے سے لے کر آج تک وہ خاکسار سے تعلقات برقرار رکھے ہوئے ہیں جس سے ان کی مشرقی وضعداری، طبعی شرافت اور فطری سادگی و سعادت مندی کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ ورنہ یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ آج کے اس ترقی یافتہ صنعتی دور میں استادی و شاگردی کے مقدس رشتہ کو سمجھنے والے اور اس کا عملی اظہار و اعتراف کرنے والے کتنے اساتذہ و شاگرد باقی رہ گئے ہیں۔

اسے حالات کی بے ارادہ اور واقعات کی بالارادہ سازش یا ستم طریقی سمجھتے ہیں کہ مطلوبہ علمی لیاقتیں رکھنے اور پیشہ تدریس کے لیے جن اخلاقی اور معلمانہ اوصاف کی ضرورت ہوتی ہے ان سے متصف ہونے کے باوجود انھیں کالج اور یونیورسٹی سطح پر پڑھانے کا موقع نہ مل سکا۔ لیکن اسکولی سطح پر بھی انھیں اپنے رفقائے کار اور شاگردوں سے جن میں اکثر اعلیٰ تعلیم حاصل نہیں کر سکے جو محبت اور احترام ملتا ہے میں اس کا عینی گواہ ہوں۔ مجھے علم ہے کہ وہ اپنے طالب علمی کے زمانے میں بھی مختلف موضوعات پر مضامین لکھا کرتے تھے جس کا ثبوت مولانا آزاد کالج میگزین کے وہ پُرانے شمارے ہیں جن میں اِن کے مضامین شائع ہوئے ہیں۔ اور جو میری نظر سے گزر چکے ہیں۔ تصنیف ہذا میں شامل مضامین کے مطالعہ سے بھی ان

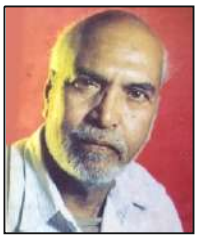

کے قلم کی پختہ کاری اور زبان و بیان کی روانی کا اندازہ ہوتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اِن کی اس بے لوث محبت اور احترام کا بھی اندازہ ہوتا ہے جو انھیں اپنے شہر سے اور اس کی نامور ہستیوں سے ہے۔

''میرا شہر میرے لوگ'' دراصل شہر اورنگ آباد کے ایک حال ہی میں بیتے ہوئے دورِ ابتلا اور اس سے منسلک دورِ حاضر کی علمی معاشرتی، تہذیبی اور ادبی تاریخ ہے۔ یہ تاریخ شاہوں کے کارناموں کی تاریخ نہیں ہے بلکہ حال ہی میں گزرے ہوئے اور زندہ مشاہیر کا تذکرہ ہے جنھوں نے قوم کی کردار سازی میں اپنی بے لوث، بے غرض اور خاموش خدمات انجام دی ہیں یا جو دے رہے ہیں اور اپنی سرگرمیوں سے اس شہر خجستہ بنیاد کے تہذیبی، تعلیمی، علمی اور فنی شعبوں کو مالا مال کیا ہے یا کر رہے ہیں۔

ان مشاہیر میں حضرت یقوبؔ عثمانی اور ولی محمد خان صاحب جیسے مثالی اساتذہ بھی ہیں اور اجنتا اور ایلورہ جیسی بے مثال نظموں کے خالق سکندر علی وجدؔ بھی ہیں سردار دلیپ سنگھ جیسے مخلص اور بے لوث انسان بھی ہیں جو قومی یکجہتی کا جیتا جاگتا نمونہ تھے۔ مولوی چراغ علی جیسے بے لوث خادم قوم بھی ہیں جنھوں نے اِس شہر میں تعلیمی خدمات کا بلند معیار قائم کیا ہے اور ایسے تعلیمی اداروں کے چراغ روشن کیے ہیں جو آج بھی علم کی روشنی پھیلا رہے ہیں۔ ایسے وکلاء بھی ہیں جنھوں نے اپنے پیشے کی مصروفیت سے وقت نکال کر سماجی اور تعلیمی اداروں کو فروغ دیا۔ اس کے علاوہ راجہ غضنفر علی اور حسینی آرٹسٹ جیسے فنکار بھی ہیں جنھوں نے گوشہ گمنامی میں

رہتے ہوئے ادب اور آرٹ کی خدمات انجام دی ہیں۔ بلاشبہ راجہ غضنفر علی اور حسینی آرٹسٹ ایسے ہی گمنام عظیم فنکار تھے غرض کہ ''میرا شہر میرے لوگ'' تصویروں کا وہ البم ہے جسے دیکھ کر اورنگ آباد کی مردم خیز زمین پر ایمان لانا ہی پڑتا ہے۔

میری رائے میں احمد اقبال نے اِن مضامین کے تحریر کرنے میں یہی صحت مند اور مثبت رویہ اپنایا ہے۔ کیونکہ اپنے بزرگوں کے محاسن کو یاد کرتا موجودہ اور آئندہ نسلوں میں نیکی، حق پسندی، خدمت قومی اور انسانیت نوازی کے مثبت رجحانات کو فروغ دینے کے برابر ہے۔ علاوہ بریں خود ان کی طبعی شرافت، سعادتمندی اور اپنے شہر سے شدید جذباتی لگاؤ کا بھی یہی تقاضہ تھا کہ وہ اپنے وطن عزیز کا صرف روشن پہلو پیش کرتے اور انھوں نے یہی کیا۔ میں اس تصنیف پر انھیں دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

☆☆☆

بقیہ : **گلشن شناس ۔ احمد اقبال**

اُن کے پاس شوکتِ الفاظ کی مرصع کاری نہ سہی لیکن دل میں اُتر جانے والا انداز ضرور ہے۔ مجھے یقین ہے اُن کی یہ کتاب اُن کی گذشتہ کتابوں کی طرح نہ صرف پسند کی جائے گی بلکہ جن لوگوں کو اپنے شہر اور اپنے لوگوں سے محبت ہے اُن کے گھروں میں بھی پہنچ جائے گی۔ اس کتاب کی اشاعت پر میں اُنھیں دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں اور اُن کی صحت وطویل عمر کے لیے اللہ سے دعا گو ہوں۔

☆☆☆

وضع دار شخصیت کے مالک: احمد اقبال

● میر ہاشم

احمد اقبال کی کتاب ''میرا شہر میرا لوگ'' (حصہ دوم) احمد اقبال کی دوسری کاوش ہے کہ شہر اورنگ آباد کی علمی شعری تہذیبی اور سماجی سرگرمیوں کو قلم بند کیا جائے اس سلسلے کی کتاب ''میرا شہر میرے لوگ'' جلد اول تھی جس میں ''یادرفتگاں'' کے عنوان سے ان لوگوں کا تذکرہ تھا جو اب اس دنیا میں نہیں رہے اور 'ذکر ہم نفساں'' کے تحت ان ہستیوں کا ذکر تھا جن سے وہ ذاتی طور پر واقف رہے ہیں اور کسی نہ کسی وجہ سے متاثر بھی ہوئے ہیں۔

اس کتاب میں تذکرہ ہے ایک انسان دوست سماجی کارکن کا جس کے قائم کردہ ٹرسٹ کی فیض رسانی عام ہے اور جس کی امن کی مساعی عالمی سطح پر ہے بیان ہے ایک حکیم حاذق کے ناقابل قیاس کارناموں کا' ایک ولی صفت امام مسجد کا 'ایک ہمدرد' ملنسار فرض شناس سیکولر ذہن رکھنے والے ڈاکٹر کا 'معین العلوم اسکول کے بانی کا اور ایک وضعدار لائق استاد کا' اس طرح اس کتاب میں ذکر ہے ایک دلنواز سیلف میڈ شخصیت کا' وہ مولانا آزاد کالج میں انگریزی کے پروفیسر تھے اور اب سبکدوش ہوگئے ہیں اور اردو کے ایک قابل پروفیسر کا جو ایس بی کالج سے وابستہ تھے اور اب آزاد ہیں۔ شاعروں میں ایک ایسے شاعر کا ذکر ہے جو وسیع النظر تھا اور جس کا کہنا تھا۔

دل نے گیتا سے روشنی پائی
اور قرآں سے نور بخشا ہے

ایک ایسے صاحب طرز شاعر کا بھی ذکر ہے جس کو شکایت ہے۔

بدل دیا ہے بہت کچھ بدلتی قدروں نے
کہ فن کی قدر بھی حیثیت کے پیچھے ہے

وہ ہے' ماہیے' غزل اور نظم کے ایک "Versatile" شاعر کا بھی تذکرہ جس کے دوہوں کی ''آہٹ'' قاری کے دردِ دل پر دستک دیتی محسوس ہوتی ہے' ایک ایسے مزدور شاعر پر بھی احمد اقبال کی نظر گئی ہے جس کی پرسوز' آواز مشاعروں میں گونجتی رہتی ہے۔

اسی طرح اپنے دوستوں' ملنے والوں' اطراف کے لوگوں اور بزرگوں کی خوبیوں کو تلاش کرنا' اور ان کے چھوٹے بڑے کاموں کا اعتراف کرنا اور انہیں قلم بند کر کے کتابی شکل دینا' ایک فائن ٹیچر اور اعلیٰ ظرفی کا متقاضی ہے احمد اقبال کا یہ کام ان کی اسی خوبی کی نشان دہی کرتا ہے۔ وہ خلوص اور نیاز مندی کے ساتھ ان ہستیوں کا ذکر کرتے ہیں جو اپنی زندگی پوری کر کے داعی اجل کو لبیک کہہ چکے ہیں اور وہ تمام شخصیتیں بھی شامل ہیں جو مختلف شعبہ حیات میں اپنی حد تک اپنی خدمات انجام دے رہی ہیں۔ اس ضمن میں انہیں نہ تو صلہ کی پروا ہے اور نہ ستائش کی تمنا' یہ تقاضہ ہے شہر اورنگ آباد سے ان کی وابستگی اور محبت کا۔

یہ مضامین شخصیت اور زندگی میں جھانکنے کا ذریعہ ہیں ان کی حیثیت تبصرہ یا تنقید کی نہیں ہے۔ وہ اورنگ آباد کی معاشرتی زندگی کے منظرنامے کو پیش کرتے ہیں اور زندگی کی مختلف جہتوں کو سامنے لاتے ہیں اسلوب بیان سادہ' سلیس اور واضح ہے شخصیتوں کے تذکرے کے ساتھ ساتھ وہ اورنگ آباد کی تاریخ اور جغرافیہ کا بھی سرسری تذکرہ کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ تاریخ و تہذیب کے سارے ابعاد و اطراف کا احاطہ کرنے کا یہ موقع تھا نہ محل۔

احمد اقبال کی پہلی کتاب ''میرا شہر میرے لوگ'' کا پیش لفظ ڈاکٹر عصمت جاوید (مرحوم) نے لکھا تھا جب وہ ایم۔اے کے طالب علم تھے تو ڈاکٹر صاحب ان کے

استاد رہ چکے تھے اپنے پیش لفظ میں وہ اپنے شاگرد کی ''مشرقی وضعداری' طبعی شرافت' فطری سادگی' اور سعادت مندی'' کی تعریف کرتے ہیں۔ یہ تعریف ایک سرٹیفکیٹ ہے جو استاذ نے اپنے شاگرد کو عطا کیا ہے ایسی سادگی' نیاز مندی' اور طبعی شرافت عنقا نہیں تو کم یاب ضرور ہے۔ ان کی پچھلی اور موجودہ کتاب ان کی انہیں خوبیوں کا ثبوت ہے۔

☆☆☆

بقیہ: گاہے گاہے باز خواں

بہادر شاہ ظفر پر لکھا گیا ان کا ریڈیائی فیچر نثر کی بھی عمدہ مثال ہے اور ان کی اپنی تاریخ کے تئیں وابستگی کا بھی بین ثبوت ہے۔ برمحل محاوروں اور اشعار کا استعمال اور تاریخ کے ان جھروکوں سے مکمل واقفیت جہاں سے ہمارا خوشحال اور بدحال ماضی جھانکتا رہتا ہے احمد اقبال کی نگارشات کو استناد بخشتے ہیں۔ شہریان اورنگ آباد اور بالخصوص تازہ واردان حرف و قلم کے لئے ایک فالِ نیک ہے اور نوجوان ادیبوں شاعروں اور نثر نگاروں کو ان کی تحریروں سے تحریک بھی ملتی ہے اور حوصلہ بھی۔ اس انتخاب کی اشاعت پر میں جناب احمد اقبال کی خدمت میں ہدیۂ تہنیت پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ ہر پڑھا لکھا نوجوان اس مجموعے کا مطالعہ کرے ورنہ ہمارا معاشرہ اس صورت حال سے دوچار ہوگا جس کا ذکر غالبؔ نے کیا تھا۔

رو میں ہے رخشِ عمر دیکھے کہاں تھے
نے باگ ہاتھ میں ہے نہ پا ہے رکاب میں

☆☆☆

احمد اقبال ایک ہمدرد و غمگسار دوست

● جے پی سعید

میرے عزیز دوست جناب احمد اقبال نے اورنگ آباد کے خدمت گزاروں پر مضامین کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ اس سلسلہ کی پہلی کتاب ''میرا شہر میرے لوگ'' مقبولیت کے تمام مدارج طئے کرچکی ہے اور اس کے دو ایڈیشن شائع ہوئے قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ اس کتاب کو ایم اے اردو کی ریفرنس بکس میں شامل کیا گیا ہے۔ اب اس سلسلہ کی دوسری کڑی زیرِنظر کتاب ''میرا شہر میرے لوگ'' ہے۔ یہ بھی اورنگ آباد کے خاموش اور بے لوث خدمت گزاروں کے مضامین پر محیط ہے۔

مکان اینٹ پتھر اور لکڑی سے بننے والی عمارت کا نام نہیں ہے مکان مکینوں سے بنتا ہے۔ لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ گھر میں رہنے والے کیسے ہیں اسی سے لفظ گھرانا وجود میں آیا۔ اسی طرح شہر بھی مکانوں' سڑکوں' دروازں' باغوں' سنیما گھروں' اور ہوٹلوں کا نام نہیں ہے۔ شہر اپنے باشندوں سے پہچانا جاتا ہے۔ آج بھی اورنگ آباد کو ولی اور سراج کی سرزمین کہہ کر مخاطب کیا جاتا ہے ممکن ہے کل یہ شہر قاضی سلیم اور بشر نواز کے نام سے بھی منسوب ہوجائے۔ شہر کے باشندے شہر کو نیک نام بناتے ہیں اس کی عزت بڑھاتے اور شہرت میں اضافہ کرتے ہیں اس اعتبار سے اورنگ آباد کافی زرخیز ہے۔ یہاں ہر زمانے اور ہر دور میں ہر فن اور ہر طبقے کے قد آور فن کار رہے ہیں اور اپنے اپنے میدان میں نمایاں کامیابیاں حاصل کی ہیں۔

مستقبل کا مورخ احمد اقبال کو ایک وقیع' دیانت دار اور حق پسند سوانح نگار تسلیم کرے گا۔ ان کے قلم نے ایک طرف خاموش خدمت گزاروں کو نذرانہ عقیدت و محبت پیش کیا ہے تو دوسری طرف اورنگ آباد کا نام روشن کرنے کی کوشش کی ہے۔ آج کا دور خود بینی' خودنمائی اور خودِستائی کا دور ہے اگر اپنے آپ کو بڑا بنانا چاہتے ہو تو دوسروں کو اپنے سے چھوٹا ثابت کرو یہ رجحان خطرناک ہے کیوں کہ یہ ایک طرف انانیت کی تبلیغ کرتا ہے تو دوسری طرف ہم عصروں کی تحقیر پر آمادہ کرتا ہے۔

احمد اقبال اس لئے بھی غیر جانب دار ہیں کہ نہ وہ شاعر ہیں نہ سماجی مصلح بلکہ وہ ایک ہمدرد اور غمگسار دوست کی طرح ضرورت پڑنے پر عمل جراحی بھی کرتے ہیں اور پھر زخموں پر مرہم بھی لگاتے ہیں۔

مجھے قوی توقع ہے کہ جس طرح ''میرا شہر میرے لوگ'' کی جلد اول کی پذیرائی ہوئی اس طرح زیرِنظر کتاب

بھی وقعت کی نگاہوں سے دیکھی جائے گی اس لئے کہ اس کتاب میں اورنگ آباد کا دل دھڑکتا ہے۔ زندگی انگڑائیاں لیتی ہے۔ نئی نسل کو آگے بڑھنے کا حوصلہ ملتا ہے پرانے لوگوں کی قدر افزائی ہوتی ہے۔

میں ان بیش قیمت مضامین کے لئے احمد اقبال کو مبارکباد دیتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اردو دنیا اس کی اسی طرح پذیرائی کرے گی جس کی وہ وقعتاً مستحق ہے۔

☆☆☆

تاثرات

ڈاکٹر محمود صدیقی

''تہذیب مشرق کے بادل سرزمین شہر اورنگ آباد کو ہر دور میں خوب سیراب کرتے آئے ہیں۔ کتنی ہی بار یہ بادل ابرِ نیساں بن کر برسے اور ہر بار اس سرزمین کا دامن لعل و گہر سے بھرتے رہے۔ زیرِنظر کتاب ''میرا شہر میرے لوگ'' ایسی ہی چند شخصیات کا احاطہ کرتی ہے۔ اس کے مصنف جناب احمد اقبال ہیں۔ آپ کی پیدائش ۵/ نومبر ۱۹۴۰ء کو اسی شہر میں ہوئی۔ دکن کے موقر تعلیمی ادارے سے مولانا ازاد کالج اورنگ آباد کے اولین طلبہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔

آپ نے مرہٹواڑہ یونیورسٹی سے اردو ادب میں ایم اے ڈومینین اور بی ایڈ کیا۔ اسی شہر کے بہت ہی قدیم اور بڑے مدارس میں مولانا آزاد ہائی اسکول بھی شامل ہے۔ احمد اقبال اسی ادارے سے پچھلے بتیس برسوں سے بحیثیت مدرس وابستہ ہیں۔ آج کل آپ سپروائزر ہیں۔ خلد آباد کے مولانا آزد ہائی اسکول کے صدر مدرس بھی رہے۔ اس کے علاوہ شہر کے دیگر تعلیمی اداروں سے بھی آپ مختلف حیثیتوں سے منسلک ہیں نعیم خاں اردو پرائمری اسکول میں آپ بحیثیت منتظمِ اعلیٰ اپنی اعزازی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

زمانۂ طالبہ علمی میں کالج میگزین اور اخبارات میں آپ کے مضامین اور انشائیے شائع ہوتے رہے آکاشوانی اورنگ آباد سے بھی مضامین اور انشائیے نشر ہوئے۔ نئی نسل کو اپنے بزرگوں کے حالات اور کارناموں سے واقف کروانے کی غرض سے آپ نے فن خاکہ نگاری کو اپنایا۔ اور اسے جاری رکھنے کا عزم بھی رکھتے ہیں۔ آپ کی خواہش ہے کہ آپ اردو کا ایک بڑا علمی وہ ادبی مرکز قائم کرسکیں۔ ہمیں یقین ہے کہ جناب احمد اقبال کی یہ کاوش پسند کی جائے گی۔ اور نئی نسل موصوف کی ایسی ہی پذیرائی کرے گی جیسی کہ وہ اپنے بزرگوں کی کرتے آئے ہیں۔''

گاہے گاہے باز خواں

● ڈاکٹر ارتکاز افضل (اورنگ آباد)
موبائل : 9225665263

شہر اورنگ آباد کے معروف ادیب اور مقبول استاد احمد اقبال ایک خوش مزاج، وضع دار اور صاحب مروت شخصیت کے مالک ہیں۔ محفلوں میں اکثر خاموش رہتے ہیں لیکن جب بھی سامعین سے مخاطب ہوتے ہیں کوئی اہم نکتہ، کوئی اہم بات یا اصلاح معاشرے کے کسی اہم پہلو پر بات کرتے ہیں۔ گفتگو ہمیشہ مختصر اور جامع، لباس سیدھا سادھا لیکن صاف ستھرا زیب تن کیے رہتے ہیں اور ہر موقع پر اپنے احباب و شاگردوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔

احمد اقبال ان معدودے چند اساتذہ میں ہیں جو زبان و بیان کی ثقافت سے پوری طرح واقف ہیں لہٰذا ان کی نگارشات میں مقولے، محاورے، فقرے، ضرب الامثال اور اساتذہ کے اشعار جابہ جا موتیوں کی طرح بکھرے نظر آتے ہیں۔ زبان و بیان پر استادانہ قدرت کی وجہ سے ان کی نثر میں بھی تازگی اور شگفتگی پائی جاتی ہے اور پھر جن موضوعات کا موصوف نے انتخاب کیا ہے وہ بھی انوکھے اور دلچسپ ہیں مثلاً اس انتخاب میں شامل پہلا ہی انشائیہ ''فرصت'' کے عنوان سے لکھا ہے۔ انشائیہ کی ابتداء ہی میں ایک کس دار جملہ آتا ہے ''ویسے بھی ہم ہندوستانیوں کی مرغوب ترین غذا فرصت ہی ہے۔'' اور اپنے اس موقف کو بڑی خوبی سے داستان گوئی کی روایت سے منتھی کر دیا ہے۔ اپنی بات میں بڑے سلیقے سے مزاح بھی پیدا کر لیتے ہیں اور مزاح کے عنصر کو طنز کا تڑکا بھی لگا دیتے ہیں۔ کہتے ہیں ''ہمارے شعراء اور ادباء کو اگر دو چار زندگیوں کی فرصت بھی مل جائے تو یہی کہیں گے ۔

اک فرصتِ گناہ ملی وہ بھی چار دن
دیکھے ہیں ہم نے حوصلے پروردگار کے

اسی طرح ایک جملے میں بیکاری کے داروغہ حضرات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ فرصت کے لمحوں کو غنیمت جانتے ہوئے بجائے موٹے ہونے کے یہ حضرات اس غم میں دبلے ہو رہے ہیں کہ انھیں کوئی مصروفیت نہیں۔ اب انھیں کون بتائے کہ فرصت بجائے خود بہت بڑی مصروفیت ہے لگے ہاتھوں خواتین کی فرصت کا بھی ذکر اس خیال سے کیا کہ کہیں عاقبت خراب نہ ہو جائے اس طرح کے چست اور چاق و چوبند جملوں سے نثر کی چاشنی بھی برقرار رہتی ہے اور انشائیے کے مزاج میں بھی بالیدگی پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح کا اور ایک نثر پارہ ''گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں'' ابتداء ہی سے اس نوشتے کی زبان و بیان راست دل میں ترازو ہوتی ہے کہتے ہیں: ''جی ہاں! یہ بات سولہ آنے درست ہے کہ کمان سے نکلا تیر، زبان سے نکلی بات اور تن سے نکلی جان کی طرح وقت بھی جا کر کبھی واپس نہیں آتا۔'' وہ، حضرات جو عدیم الفرصتی کا رونا روتے ہیں اور پھر شاعر حضرات تو وقت کی ریاضی ہی کو الٹ دیتے ہیں مثلاً مندرجہ ذیل شعر کے حوالے سے اپنی بات کو مدلل کرتے ہیں ۔

مہینے وصل کی گھڑیوں کی صورت اڑتے جاتے ہیں
مگر گھڑیاں جدائی کی گزرتی ہیں مہینوں میں

احمد اقبال چونکہ بنیادی طور پر ایک استاد ہیں لہٰذا وقت کی پابندی اور اس کی اہمیت اور زندگی میں نظم و نسق کی ضرورت کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ امتدادِ زمانہ یا مرورِ ایام کی ستم ظریفی کہہ لیجئے کہ آج فی زمانہ وقت کی پابندی خود عجوبہ بن گئی ہے۔ ایک اور دلچسپ تحریر ''آسمان سے گرے اور کھجور میں اٹکے'' اس تحریر کی

ابتداء ان کے صاحبِ ذوق اور صاحبِ علم ہونے کا پتہ دیتی ہے لکھتے ہیں کہ ''لطیفے کسی کی ملکیت نہیں ہوتے۔ لطیفہ میرا بھی ہو سکتا ہے اور آپ کا بھی اور کسی کا بھی نہیں۔ یہی حال محاوروں کا بھی ہے۔ اس کا موضوع ایک مستعمل محاورے پر مبنی ہے لیکن بادی النظر میں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ''اگر آسمان سے گرے تو کھجور ہی میں کیوں اٹکے'' اول تو آسمان سے گرنا ہی ایک ناقابل قبول عمل ہے اور بالفرض محال جو کوئی گر بھی جائے تو پھر دوسری مصیبت نازل ہو جاتی ہے۔ اپنے موضوع میں تسلسل روانی اور شگفتگی، برقرار رکھنے کے لئے احمد اقبال ایک کہانی کار کی طرح خیالی تانوں بانوں سے دلچسپ اور مزاح آگیں صورت حال پیدا کر دیتے ہیں۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ان دلچسپ اور مزاح انگیز situations کا کوئی سنجیدہ اور متین پہلو نہیں ہے۔ دراصل ادیب ہو یا شاعر، افسانہ نویس ہو یا انشائیہ نگار یا پھر مزاح نگار اور مضمون نویس جب تک اپنے مشاہدے اپنی فکر اور اپنی معاشرتی اور تہذیبی اقدار سے دیانت دارانہ وابستگی نہیں رکھتا طنز و مزاح یا نثر و شعر میں تاثر پیدا نہیں کر سکتا۔ احمد اقبال بنیادی طور پر ایک متین اور سنجیدہ قسم کے انسان ہیں اور وہ اپنے معاشرے اور معاشرتی قدروں کے امین ہیں لہٰذا قدروں کی زوال آمادگی ان کے لئے ایک جاں گسل کیفیت ہے لیکن اپنے عندیہ کو بیان کرنے میں طنز و مزاح سے کام لیتے ہیں نہ کہ تلخی و ترشی سے۔ احمد اقبال کی چند تحریریں ایسی بھی ہیں جنھیں اردو کے اہم نثر پاروں میں شمار کیا جا سکتا ہے مثلاً محمد صابو صدیق، امجد حیدر آبادی اور بہادر شاہ ظفر پر لکھا گیا ریڈیائی ڈرامہ (باقی صفحہ ۳۹ پر)

مشفق دوست ــــ احمد اقبال

● اسلم مرزا (اورنگ آباد)
موبائل : 9960053707

اورنگ آباد میں ایک سیماب صفت شخصیت ہے جناب احمد اقبال کی۔ عالم فاضل ہیں۔ سنجیدہ صفت لیکن عمر عزیز کے کامیاب اکیاسی برس گزارنے کے باوجود آج بھی ماشااللہ چاق و چوبند ہیں۔ میں نے انھیں کبھی نچلے بیٹھا نہیں دیکھا۔ کوئی نہ کوئی مصروفیت اپنے ساتھ لگا رکھتے ہیں۔ موصوف ہر شخص سے، چھوٹا ہو یا بڑا، چند ہی لمحوں میں، حفظ مراتب کا خیال رکھتے ہوئے ایسے گھل مل جاتے ہیں جیسے برسوں کی شناسائی ہو۔

۱۹۶۶ء تا ۱۹۹۸ء یعنی تقریباً ۳۳ رسال تک اورنگ آباد کی مشہور درسگاہ مولانا آزاد ہائی اسکول میں درس و تدریس کی خدمات انجام دیں اور بے شمار قابل اور ہونہار شاگردوں کی ایسی صفیں کھڑی کردیں جو آج مختلف شعبہ ہائے حیات میں اپنی گوناگوں صفات کی وجہ سے معاشرے میں نمایاں حیثیت سے متصف ہیں۔ مولانا آزاد ہائی اسکول کی شاخ 'خلد آباد' میں صدر مدرسی کے فرائض کے ساتھ کچھ عرصہ العرفان اقامتی ہائی اسکول، سولی بھنجن، خلد آباد میں بھی پرنسپل کے عہدے پر بھی فائز رہے۔ آپ نعیم خاں اردو پرائمری اسکول میں بحیثیت منتظم اعلیٰ اعزازی خدمات دے چکے ہیں۔ ان کے سیمابی مزاج نے چین نہیں لینے دیا تو حکومت مہاراشٹر نے انھیں پونے کے 'بال بھارتی' ادارے میں شریک کرلیا جہاں وہ ۲۰۰۷ء سے تاحال اردو زبان کی جماعت اول تا جماعت دوازدہم کے نصاب کی تیاری میں اپنے معاونین کے ساتھ سرگرم عمل رہتے ہیں۔ آپ نے امتحانی پرچوں کی تیاری کے علاوہ ممتحن اور ماڈریٹر کی حیثیت سے بھی اپنی قابلیت کا لوہا منوایا ہے۔

احمد اقبال نے مراٹھواڑہ یونیورسٹی سے اردو ادب میں ایم اے ڈومینین اور بعد ازاں بی ایڈ کی سند بھی حاصل کی۔ طالب علمی کے زمانے سے ہی وہ مختلف موضوعات پر فکر انگیز معلوماتی مضامین لکھتے رہے جو مولانا آزاد کالج میگزین میں اور شہر اورنگ آباد کے اردو روزناموں کے ادبی صفحات میں شائع ہوتے رہے ہیں جس کی وجہ سے ان کے قلم میں پختہ کاری اور زبان و بیان میں ایسی روانی پیدا ہوئی کہ شہر کے علمی حلقوں میں خوب پذیرائی ہوئی۔ ہندوستان کے موقر رسائل جیسے 'اردو دنیا' وغیرہ میں بھی آپ کے مضامین شائع ہو چکے ہیں۔

احمد اقبال کو چونکہ شعر و ادب سے ذہنی وابستگی اور دلچسپی ہے اس لیے نایاب کتابوں اور قدیم رسائل کا زبردست ذخیرہ ان کے ذاتی کتب خانے کی زینت بنے ہوئے ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ جب کبھی کوئی ریسرچ اسکالر یا طالب علم کسی قدیم کتاب یا رسالے کی تلاش میں ان تک پہنچتا ہے تو موصوف ممکنہ حد تک نہ صرف ان کی دستگیری کرتے ہیں بلکہ جی جان سے ان کی رہنمائی کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھانے سے باز نہیں آتے۔

شہر کی مختلف ادبی انجمنوں میں شمولیت کے سبب انھیں اردو کے اہم اور معتبر قلم کاروں مثلاً مولوی ولی محمد خاں، مولوی یعقوب عثمانی، سکندر علی وجدؔ، مولوی اختر الزماں ناصرؔ، ڈاکٹر عصمت جاوید، قاضی سلیمؔ، جے پی سعیدؔ، میر ہاشمؔ، ڈاکٹر ثاقب انور، پروفیسر فاروق محمد خان، رؤف انجم، غوث ساجد، ڈاکٹر صفی الدین صدیقی، مقتدر نجم، بشر نواز، شاہ حسین نہری، عبدالوہاب جذبؔ وغیرہ کی صحبتوں سے فیض یاب ہونے کے مواقع میسر آئے، اس وجہ سے ان کے ادبی مزاج میں مزید نکھار پیدا ہوا۔

احمد اقبال کی سماجی خدمات کا تو مجھے علم نہیں لیکن تعلیمی میدان میں ان کے کئی کارنامے میں نے سن رکھے ہیں۔ مثلاً جب مرحوم پروفیسر تلاوت علی نے سرسید کالج آف آرٹس، سائنس اور کامرس کالج کی بنیاد رکھی تو تقریباً تین سال تک احمد اقبال نے اعزازی طور پر سال اول اور دوم کے طلباء کو اردو ادب پڑھایا۔ اقراء بوائز اسکول اور اقراء گرلز اسکول اورنگ آباد کی تعلیمی کمیٹی کے آپ ایک معزز رکن ہیں۔ ادارۂ ادب اسلامی (حلقہ مہاراشٹر، اورنگ آباد) کے آپ نہ صرف ایک فعال رکن رہے بلکہ دو سال تک اس ادارے کی کرسیٔ صدارت کو زینت بخشی ہے۔ موصوف گذشتہ تیس سال سے اورنگ آباد کی نہایت فعال ''اقبال اکیڈیمی'' کے قیام اور اس کی مسلسل ادبی سرگرمیوں سے وابستہ ہیں۔ ۱۹۹۴ء تا حال آپ اس اکیڈمی کے معتمدی کے فرائض بخوبی نبھا رہے ہیں۔ ہر مہینے دو مرتبہ اقبال اکیڈیمی کی نشستیں منعقد کرواتے ہوئے علامہ اقبالؔ کی شاعری کے چاہنے والوں کی دلبستگی کا سامان کرتے ہیں۔ گذشتہ چند برسوں سے آپ کتابی سلسلہ ''عالم گیر ادب'' کے بھی معزز رکن ہیں۔

احمد اقبال نے ایک مرتبہ دوران گفتگو مجھے بتایا کہ انھوں نے پی ایچ ڈی کے لیے بھی مراٹھواڑہ یونیورسٹی میں رجسٹریشن کروایا تھا۔ ان کے مقالے کا عنوان تھا ''ڈاکٹر عصمت جاوید کی لسانی خدمات''۔ لیکن بعض ناگزیر حالت کی وجہ سے یہ مقالہ کہیں راستے میں ہی رہ گیا، لیکن ہوا یہ کہ وہ ڈاکٹر عصمت جاوید جیسی عبقری شخصیت سے بہت قریب ہوگئے۔ اس بات کا اعتراف ڈاکٹر عصمت جاوید یوں بیان کرتے ہیں کہ

''۱۹۶۴ء سے احمد اقبال خاکسار سے تعلقات برقرار رکھے ہوئے ہیں جس سے ان کی مشرقی وضعداری، طبعی شرافت، فطری سادگی اور سعادت مندی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔'' (پیش لفظ۔ کتاب میرا شہر میرے لوگ۔ اشاعت ۱۹۹۴ء) احمد اقبال کو ڈاکٹر عصمت جاوید کے تئیں قلبی اور روحانی وابستگی رہی ہے۔ ڈاکٹر عصمت جاوید کی حیات میں اور ان کے انتقال کے بعد بھی احمد اقبال نے عصمت جاوید کے ایسے تمام مضامین، جو اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے تھے ان کی اشاعت میں وہ بیگم عصمت جاوید کے دست راست بنے رہے اور جو کتابیں شائع کیں وہ ہیں: (۱) زبان اورنگ آبادی (۲) باقیاتِ عصمت جاوید (۳) تلفظ نما اردو لغت (۴) بیاں اپنا اپنا۔ میں یہ بات وثوق سے کہتا ہوں کہ یہ کتابیں صرف اور صرف احمد اقبال کی انتھک محنت کی وجہ سے اردو ادب کا ایک گراں مایہ حصہ بنی ہیں۔

احمد اقبال نے جن بزرگوں، اساتذہ اور ہم عصر ادبی، سماجی اور سیاسی شخصیات سے مستفید ہوئے اور جنھوں نے انھیں متاثر کیا، ان شخصیات پر عمدہ خاکے لکھے اور انھیں کتابی صورت میں ''میرا شہر میرے لوگ'' کے عنوان سے ۱۹۹۴ء میں شائع کیا۔ اس کتاب میں ''یادِ رفتگاں'' کے تحت ان مشاہیر اورنگ آباد کی علمی، شعری، تہذیبی اور سماجی سرگرمیوں کا احاطہ کیا جو ۱۹۹۴ء میں بقید حیات نہیں تھے۔ اسی طرح ''ذکر ہم نفساں'' کے تحت ان بزرگوں اور قابل احترام ہستیوں کے خاکے ہیں جن کے دم قدم سے اورنگ آباد اپنی بہترین صالح روایات اور تہذیبی ورثے سے منور رہا ہے۔ اس کتاب کی اشاعت نے احمد اقبال کی شہرت میں چار چاند لگائے۔ اس کا دوسرا ایڈیشن بھی شائع ہوا۔ ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ ''میرا شہر میرے لوگ'' ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر مراٹھواڑہ یونیورسٹی کے ایم اے (سال اول) میں ''ریفرنس بک'' کے طور پر شامل رہی۔ مرحوم ڈاکٹر ثاقب انور نے اپنی کتاب ''صریر خامہ'' میں ''میرا شہر میرے لوگ'' کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے کہ ''احمد اقبال کی تصنیف کردہ کتاب ایک لحاظ سے مراٹھواڑہ کی تہذیبی، سماجی، علمی اور ادبی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔''

''میرا شہر میرے لوگ'' کی مقبولیت کے بعد ۲۰۰۴ء میں احمد اقبال نے ''میرا شہر میرے لوگ'' کا دوسرا حصہ شائع کیا۔ اس میں بھی ''ذکر ہم نفساں'' میں ۶۷ شخصیات اور ''یادِ رفتگاں'' کے تحت ۷ شخصیات کے خاکے پیش کیے ہیں۔ اس کے دوسرے کے حصے فلیپ پر مرحوم بشر نواز نے بجا طور پر لکھا ہے: ''احمد اقبال زبان و بیان پر بھی نظر رکھتے ہیں اور ادب کے ساتھ ساتھ زندگی کے بارے میں بھی ایک واضح نقطۂ نظر رکھتے ہیں۔ احمد اقبال نے مختلف اشخاص کے توسط سے اورنگ آباد بلکہ مراٹھواڑہ کے علاقے کی تہذیبی، اخلاقی اور ادبی اقدار تک پہنچنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔'' احمد اقبال کی یہ دوسری کتاب بھی بہت مقبول ہوئی۔ ان دونوں کتابوں کی مقبولیت کا اندازہ اس واقعہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ جب یہ دونوں کتابیں امریکہ، کینیڈا اور خلیجی ممالک میں روزگار کے سلسلے میں آباد اورنگ آباد کے بعض افراد تک پہنچی تو انھوں نے ان کتابوں کے ژیراکس تیار کروا کر اورنگ آباد کے دیگر دوستوں کو تحفتہً دیں تاکہ اورنگ آباد کے تمام لوگوں تک یہ بیش بہا معلومات پہنچے۔ ''میرا شہر میرے لوگ'' کی مقبولیت کا اس بات سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اسکالر مرحوم ڈاکٹر ضیاء الدین شکیب جب لندن سے حیدرآباد آئے تھے تو انھیں اِس کتاب کا علم ہوا۔ وہ اورنگ آباد تشریف لائے اور یہاں آنے کے بعد انھوں نے احمد اقبال سے خصوصی ملاقات کی تھی۔ اسی طرح ناگپور سے جب مشہور فکشن نگار وکیل نجیب صاحب اورنگ آباد آئے تو انھوں نے بھی احمد اقبال سے اس کتاب کے تعلق سے اپنی ملاقات میں نہایت بلیغ انداز میں تعریف وتوصیف کی تھی۔

۱۹۸۶ء میں معروف ومقبول شاعر مرحوم قاضی سلیم نے اعلیٰ پیمانے پر ''تین سو سالہ جشن شاہ سراجؔ'' کے انعقاد کا بیڑہ اٹھایا۔ اس جشن کی تیاری کے سلسلے میں قاضی سلیم نے شہر اورنگ آباد کی معتبر ادبی شخصیات سے رابطہ قائم کیا تو احمد اقبال پر بھی ان کی نظر عنایت رہی۔ اس طرح اس جشن کا لائحہ عمل طئے کرنے کے لیے جو پہلی میٹنگ ۱۲/اکتوبر ۱۹۸۶ء کو منعقد ہوئی، اس میں احمد اقبال بھی شامل تھے۔ جشن سراجؔ کی تیاریوں کے سلسلے میں اتفاق رائے سے مختلف کمیٹیاں بنائی گئیں تاکہ جشن کو کامیابی سے ہمکنار کرنے میں آسانیاں ہوں۔ ان میں ''نشر واشاعت کمیٹی'' اور ''نمائش کتب'' کمیٹیوں میں احمد اقبال کو بھی شامل کیا گیا۔ احمد اقبال صرف ان دو کمیٹیوں میں ہی نہیں رہے بلکہ دیگر کمیٹیوں کے ساتھ بھی انھوں نے بھرپور تعاون کیا۔ ''تین سو سالہ جشن سراجؔ'' کی تمام کارروائیوں کے احمد اقبال ایک چشم دید گواہ تھے۔ انھوں نے جو کچھ دیکھا، سنا اور محسوس کیا ان تمام تاریخی واقعات کو دستیاب مواد اور اپنی یادداشت کے سہارے اب ایک مختصر مگر جامع کتاب میں پیش کررہے ہیں۔ ''تین سو سالہ جشن سراجؔ'' آج سے ۳۵/سال پہلے منعقد ہوا تھا لیکن اس کی بازگشت آج بھی اورنگ آباد کے ادبی حلقوں میں سنی جاتی ہے۔ اس لیے احمد اقبال نے یہ ضروری سمجھا کہ اس تاریخی تقریب کو موجودہ اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے کتابی صورت میں محفوظ کرلیا جائے۔ یہ اہم کام احمد اقبال انجام دے رہے ہیں، جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ ☆

گلشن شناس۔ احمد اقبال

● نورالحسنین (اورنگ آباد)
موبائل : 9890849736

احمد اقبال وجاہت کے پیکر، خوش لباس، خوش مزاج، خوش گفتار، سلیقہ اُن کی فطرت، محبت اُن کا مذہب، یار باش، محفلوں کی جان، کتابوں اور مطالعے کے شوقین، سادگی اُن کی پہچان، ایک کامیاب اُستاد، ایک فرمابردار شاگرد، گھر ہو یا کوئی مجلس ہر جگہ اپنی باتوں سے دل موہ لینے والے انسان۔ نثر کی مختلف اصناف سے اُنھیں شغف ہے۔ اُنھوں نے جو کچھ بھی لکھا پوری سوجھ بوجھ سے لکھا، حقیقت بیانی سے کام لیا، جو بھی کام اپنے ذمے لیا، اُسے نہایت عمدگی کے ساتھ انجام دیا۔ اسی لیے دوست دشمن سبھی کے چہیتے ہیں۔

احمد اقبال کو اپنے شہر اور اپنے شہر کے لوگوں سے صرف محبت ہی نہیں ہے بلکہ وہ عشق کرتے ہیں۔ جن کو چاہتے ہیں اُن کے خلاف ایک لفظ بھی برداشت کرنے کو تیار نہیں۔ میرے کہنے پر ریڈیو کی ایک سیریز ''خوشبو تیری یادوں کی'' میں شریک ہوئے، جس کا مقصد شہر کی اُن شخصیات کی سوانح نگاری پیش کرنا تھا جنھوں نے سقوط حیدرآباد کے بعد نامساعد حالات کے باوجود اپنے شہر کے لوگوں کو سمیٹا، اُن میں زندگی کی لہر کو پیدا کیا، اُن کی تعلیمی، ذہنی تربیت کی، جو بہت با اختیار بھی نہیں تھے لیکن اس کے باوجود اُنھوں نے بساط بھر کوششیں کی اور قوم کے لیے وہ کام کیے جو وقت کی اہم ضرورت تھے۔ یہیں سے احمد اقبال کے ذہن میں ایک خیال پیدا ہوا کہ اِس طرح غیر محسوس طریقے سے شہر کی ایک سماجی، معاشرتی تاریخ لکھی جاسکتی ہے۔ اس کے علاوہ اُنھوں نے شہر کے اُن شعراء وادباء کو بھی اپنے مشن میں شامل کرلیا جو ادب کی شمع روشن کیے ہوئے تھے اور زبان کی خدمت انجام دے رہے تھے۔ چنانچہ اُنھوں نے اُن شخصیات کے بارے میں تحقیق شروع کردی اور ''میرا شہر میرے لوگ'' کے عنوان سے ایک کے بعد ایک دو کتابیں شائع کردیں اور اب اسی سلسلے کے تحت یہ تیسری کتاب آپ کے سامنے ہے۔

بظاہر آسان دکھائی دینے والا یہ کام اتنا آسان بھی نہیں تھا۔ جن لوگوں کی سوانحی خاکے اور کام دریافت کرنا تھا وہ سب ایک عرصہ ہوا اِس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ اُن کے متعلقین کو تلاش کرنا اور اُن سے معلومات حاصل کرنا جوئے شیر لانے کے مصداق تھا، پھر شہر کے ایسے لوگوں سے ربط پیدا کرنا جنھوں نے اُنھیں دیکھا تھا یا اُن کے ساتھی رہے ہوں یا اُن کے کام سے واقف ہوں۔ یہ بھی آسان نہیں تھا۔ احمد اقبال نے بڑی محنت اور جستجو سے یہ سب کچھ حاصل بھی کیا۔ ایسے افراد کے کارنامے اُن کی ابتدائی دونوں کتابوں میں شامل ہیں۔ تیسری یعنی اس کتاب میں کچھ ایسی شخصیات بھی موجود ہیں اور کچھ وہ لوگ بھی ہیں جو حال حال میں اس دنیا سے رخصت ہوئے ہیں۔

شہر اورنگ آباد ایک تاریخی شہر ہے۔ ساری دنیا اس شہر کی تاریخ اور جغرافیہ کے ساتھ ہی ساتھ اِس کے معماروں کے بارے میں بھی جاننا چاہتی ہے۔ اس کتاب میں احمد اقبال نے یہ کام بھی کردیا ہے۔

اورنگ آباد کی سرزمین شاعری کی سرزمین کہلاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں ہر دور میں وہ شعراء پیدا ہوئے جنھوں نے آسمان ادب پر اپنے فن سے ایسا نام روشن کیا کہ جب تک اُردو زندہ رہے گی اُن کا نام بھی زندہ رہے گا۔ ایسے ہی شعراء میں ایک نام سید نورالضیاء نقشبندی المعروف بہ مفتی ضیاء یار جنگ بہادر کا بھی

ہے جو نظام دکن میر عثمان علی خان بہادر کے دربار میں مفتی و عالم تھے۔ وہ اُردو اور فارسی کے اعلیٰ درجے کے شاعر تھے

اِس شہر میں کچھ ایسے بھی شعراء گزرے ہیں جو نامساعد حالات کے شکار تھے اُن کا فن تو کسی سے کم نہیں تھا لیکن اُن کے حالات نے اُنھیں اجازت نہیں دی کہ وہ اُسے اُجاگر کرتے۔ لہٰذا وہ سردبستوں ہی میں بند رہے لیکن جب باہر آئے تو دیکھنے والے ششدر رہ گئے۔ ایسے ہی شعراء میں ایک نام حکیم سید احمد حسینی بیخودؔ کا بھی ہے جو اُردو اور فارسی پر مکمل دسترس رکھتے تھے۔ اُنھوں نے علامہ اقبال کی مشہور فارسی مثنوی ''رموز بے خودی'' کا اُردو میں نہایت عمدہ ترجمہ کیا تھا اور اِس خوبی کے ساتھ کیا تھا کہ علامہ کے اصل اشعار کے مفہوم کو جوں کا توں برتا تھا۔

شہر اورنگ آباد میں ایسی ہمدرد ہستیاں بھی موجود رہیں جنھوں نے غریبوں کے دکھ درد کو بھی سمجھا اور اپنے مشفق برتاؤ سے اہلیانِ شہر کا دل بھی جیتا۔ اُن باغ و بہار شخصیتوں میں ایک نام ڈاکٹر سید عبدالجلیل کا بھی ہے۔ جن کی انسان دوستی، مریضوں سے ہمدردی، حسنِ سلوک ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ وہ اگرچہ ڈاکٹر تھے لیکن سماجی کاموں میں بھی پیش پیش رہتے تھے۔ ادب کا بھی اچھا ذوق رکھتے تھے۔ اور ادبی محفلوں میں بھی شرکت کرتے تھے۔ اپنے ہم عمر شعراء وادباء کے ساتھ ہی ساتھ نئے لکھنے والوں کو بھی پسند کرتے تھے چنانچہ نئے لکھنے والوں میں جاوید ناصر، نورالحسنین اور میر مجاہد کو اکثر اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ احمد اقبال نے ڈاکٹر صاحب کے بارے میں خوب لکھا ہے کہ وہ عوامی صحت کے معاملے میں ہمیشہ فکرمند رہا کرتے تھے۔

احمد اقبال نے ''میرا شہر میرے لوگ'' کے تحت ایسے

عہدہ داروں کو بھی شامل کیا ہے جنھوں نے اپنے عہدوں پر رہتے ہوئے بھی عام انسانوں کی فلاح و بہبود کی خاطر کام کیا ہے ان میں ایک نام عائشہ بیگم کا بھی ہے جنھیں سارا شہر عائشہ آپا کے نام سے جانتا تھا۔ وہ جوائنٹ ڈائریکٹر آف ایجوکیشن حکومت مہاراشٹر تھیں جو نہایت باوقار عہدے پر فائز ہونے کے باوجود بڑی مہذب، خوش اخلاق اور ہمدرد خاتون تھیں۔ اپنے عہدے پر رہتے ہوئے اُنھوں نے بیشمار اساتذہ کو فیض پہنچایا۔ اُن کے زمانے میں اساتذہ کی بڑی تعداد ٹیچر ٹریننگ سے فیضیاب ہوئی۔

جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ اورنگ آباد کے معماروں میں تیسرا نام ڈاکٹر رفیق ذکریا کا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے یہاں پر اپنے کام کی شروعات مولانا ابوالکلام آزاد کے نام پر ایک کالج کے ذریعے کی جو آج ترقی کر کے کسی یونیورسٹی سے کم نہیں ہے۔ احمد اقبال نے ڈاکٹر رفیق ذکریا کے یہاں کیے گئے تمام کام کا اپنے مضمون میں تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے۔ اس کے بعد کتاب ''میرا شہر میرے لوگ'' کے تحت احمد اقبال نے ممتاز شاعر میر ہاشم اور عارف خورشید، کی ادبی خدمات پر روشنی ڈالی ہے۔ ان دونوں قلمکاروں نے اپنی تخلیقات کے ذریعے شہر کی ادبی فضاء کو بحال رکھا۔ اگر میر ہاشم نے اپنی نظم نگاری میں خوب صورت علامتوں کا استعمال کیا ہے تو عارف خورشید نے بھی اپنی افسانہ نگاری کے تحت مختلف کامیاب تجربات کیے ہیں۔ خصوصاً اُنھوں نے اپنے افسانوں میں شعور کی رو کا نہایت عمدہ تجربہ کیا ہے۔ یہ دونوں ہی فنکار اپنی بہترین ادبی خدمات کے باعث ادب میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

ڈاکٹر رفیق ذکریا، عبد العظیم صاحب ہی کی طرح سرسید احمد خان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے پروفیسر محمد تلاوت علی نے بھی اسی شہر میں سرسید احمد خان کے نام پر ایک کالج قائم کیا جس میں آج غریب طلباء کی سب سے بڑی آبادی تعلیم حاصل کر رہی ہے۔ احمد اقبال نے تلاوت علی کے ذاتی کردار پر بھی نہایت عمدہ روشنی ڈالی ہے۔ ڈاکٹر عصمت جاوید شیخ کی صورت قدرت نے ہمارے شہر کو ایک عبقری شخصیت سے نوازا تھا۔ جس نے اپنی علمیت اور اپنے تدریسی فرائض سے اپنے شاگردوں کو ایسا سنوارا کہ اُن میں سے چند ملکی و عالمی سطح پر تخلیق کار، ناقد کی سطح سے اپنا نام روشن کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ احمد اقبال نے اُن پر تین مضمون تحریر کیے، ایک اُن کی لسانی خدمات پر اور دو اُن کی کتابوں پر تبصرے اور مضمون کی شکل میں لکھے ہیں۔ جو اپنی مثال آپ ہیں۔

اسی شہر سے ایک ایسا نوجوان بھی اُٹھا، جو عالم باعمل تھا جس کا کردار مثالی تھا جس نے ساری زندگی قوم کی بھلائی اور اُن کی تعلیمی بہبود میں بسر کر دی،، وہ نہایت باادب اور مخلص انسان تھا۔ وہ شخص تھا محمد اشفاق احمد۔ احمد اقبال نے اپنے مضمون میں اُن کی یادوں کو تازہ کر دیا ہے :

''محمد اشفاق احمد ۸/اگست ۱۹۳۵ء کو اورنگ آباد میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد محمد عظمت اللہ معلم تھے اور والدہ زبیدہ باجی صاحبہ خواتین اور طالبات کی دینی تعلیم و تربیت میں زندگی بھر کام کرتی رہی۔ والدین کی محبت و شفقت اور عمدہ تربیت اور دعاوں کی وجہ سے اللہ نے اُنھیں بے شمار خوبیوں اور فیاضیوں سے نوازا تھا۔ اُن کی صورت اور سیرت کا جمال بے مثال تھا۔ وہ اپنی ذات میں ایک قطب نما اور پاور ہاوس کی مانند تھے۔ قطب نما جو راہ دکھاتا ہے اور پاور ہاوس جو اپنوں کے علاوہ غیروں کو بھی روشنی اور توانائی بخشتا ہے۔ یہ دونوں کام وہ تنہا کرتے رہے۔ اِس سے اُن کی لگن اور کام کے تئیں خود سپردگی کا پتہ چلتا ہے۔ اپنے وقت کو ہر حال میں مفید کاموں میں صرف کرنے کے وہ قائل تھے بلکہ عمل پیرا بھی تھے۔ وقت کی قدر و قیمت کے احساس کا اس سے بڑا اور ثبوت اور کیا ہوسکتا کہ وہ انتقال سے چند گھنٹے پہلے تک کام کرتے رہے۔ بے غرض خدمت اور صلے کی پرواہ کیے بغیر وہ دوسروں کے لیے جیئے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ہر عمر کے مقامی اور غیر مقامی بلکہ دور دور تک کے لوگوں میں خصوصاً طلباء اور اساتذہ برادری میں بے حد مقبول تھے۔''

اس کتاب میں ایک مضمون ڈاکٹر رفیع الدین ناصر کی سائنسی خدمات پر بھی شامل ہے ڈاکٹر ناصر مولانا آزاد کالج میں سائنس کے ایک عمدہ اُستاد ہیں۔ اُنھوں نے طلباء و طالبات کی سہولت کی خاطر اُردو میں سائنس کی کتابیں لکھیں جو نہایت کارآمد ہیں۔

احمد اقبال آل انڈیا ریڈیو اورنگ آباد کے براڈ کاسٹر بھی رہے ہیں۔ ریڈیو سے اُن کی بہت ساری تقریروں کے ساتھ ہی انشائیے بھی نشر ہوئے ہیں۔ اُنھوں نے ریڈیو کے لیے فیچر بھی لکھے ہیں۔ اس کتاب میں بطور نمونہ ''بہادر شاہ ظفر'' پر لکھا گیا فیچر شامل کیا گیا ہے۔ یہ ایک عمدہ فیچر ہے جسے بہت زیادہ پسند کیا گیا تھا۔ خان شمیم خان نے احمد اقبال کی ادبی خدمات کے پیش نظر ایک نہایت خوب صورت نظم کہی تھی۔ اُسے بھی اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ممتاز محقق و شاعر اسلم مرزا کا احمد اقبال کی شخصیت پر لکھا ہوا ایک بھرپور مضمون اور کچھ تبصرے اُن کی سابق کتابوں پر جو لکھے گئے تھے وہ بھی شامل کتاب ہیں۔ ''میرا شہر میرے لوگ'' کی یہ تیسری جلد اپنے شہر کے علمی، ادبی، سیاسی افراد کے کارناموں پر مبنی ایک نہایت اہم کتاب ہے۔ یہ ہمارے شہر کی سماجی، معاشرتی تاریخ بھی ہے اور حال اور گذشتہ کا احوال بھی۔ احمد اقبال کے اسلوب سادہ بیانی لیکن رواں دواں نثر نگاری کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ (باقی صفحہ ۳۸ پر)

احمد اقبال : وفاداری بشرطِ استواری

● انتخاب حمید
(سابق پروفیسر، شعبۂ انگریزی
ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر
مراٹھواڑہ یونیورسٹی اورنگ آباد)
موبائل : 8999760727

احمد اقبال کو میں اورنگ آباد کی خوش نصیب ترین شخصیتوں میں شمار کرتا ہوں۔ خصوصاً اس لئے کہ انھیں اورنگ آباد کی دانش اور تخلیقیت سے محض واقفیت ہی نہیں قابل رشک قربت میسر رہی ہے۔ احمد اقبال کا قابل لحاظ وقت اردو کے معروف تخلیق کاروں کی صحبت میں گذرا ہے۔ سکندر علی وجدؔ اور یعقوب عثمانی، قاضی سلیم، میر ہاشم اور استاد جے پی سعید و اختر الزماں ناصر سے لے کر سلیم محی الدین، فاروق شمیم اور خان شمیم سے لے کر آج کے شاعروں اور نثر نگاروں (خاصی طویل فہرست ہے) میں سے ہر ایک کو وہ فرداً فرداً جانتے ہیں، ان کے تخلیقی سفر سے گہری واقفیت رکھتے ہیں۔ ''میرا شہر میرے لوگ'' کی دونوں جلدوں کے مشمولات پر نظر کیجئے گا ان کتابوں کے پیش لفظ ان کتابوں کی پشت نوشت، بیک کور اور تاثرات پر غور فرمائیے گا۔ بات واضح ہو جائے گی کہ اورنگ آباد کے اہل قلم انھیں کتنا عزیز رکھتے تھے، ان کی کاوشوں کو سراہتے اور حوصلہ افزائی کرتے تھے۔

اردو زبان و ادب اور اردو کے تخلیق کاروں سے احمد اقبال کی وابستگی ان کے طالب علمی کے زمانے سے لے کر آج تک (جبکہ وہ ۸۵ برس کے ہو چکے ہیں) اسی شدتِ خلوص کے ساتھ قائم ہے۔ احمد اقبال کی تصنیف کردہ کتابیں ان کے سیکولر ذہن اور وسیع القلبی ہی نہیں شہر اورنگ آباد کی سیکولر فضاء کی علامت ہے، جس فضاء میں اورنگ آباد کی تخلیقیت پروان چڑھتی رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ احمد اقبال نے اورنگ آباد کے مختلف اداروں، ماہرین تعلیم اور بلالحاظ مذہب و ملت ان سماجی خدمت گزاروں اور ان کی خدمات کی تصویر کشی کی ہے جو اس فضا کو قائم رکھنے کے لئے کوشاں رہے ہیں۔ ڈاکٹر عصمت جاوید شیخ مرحوم نے احمد اقبال کی ان کتابوں کو بجا طور پر ''تصویروں کا البم'' کہا ہے۔ البم وہ شئے ہے جس میں ماضی اور حال ہم آمیز ہو جاتے ہیں۔ نثر عاری میں یہ مصوری اپنا ایک تعارفی فریضہ بھی انجام دیتی ہے اور اورنگ آباد کے ناقدین کو دعوت فکر بھی۔

فنی نقطۂ نظر سے البم کے تجزیاتی معیار خواہ کچھ ہوں، خاکہ نگاری، واقعہ نگاری یا سوانح نگاری کے اپنے تقاضے ہوں احمد اقبال کا مقصودِ نظر زبان و ادب کے

تئیں ان کی وابستگی و وفاداری سے متصف ہے معروضیت سے نہیں۔ ان کا مقصد ان شخصیات کے contribution، ان خدمات کو واضح کرنا ہے جس میں وہ بڑی حد تک کامیاب نظر آتے ہیں۔

ان کتابوں میں اورنگ آباد کی تاریخ کی جھلکیاں نظر آتی ہیں اور ادبی تاریخ کے وقوع بھی، جنھیں احمد اقبال ستائش و صلہ سے بے پرواہ رقم کرتے رہے ہیں اور ان کی یہ جستجو ہنوز اسی استوار اور استقلال پر قائم ہے۔ استواری کو اصل ایمان جو قرار دیا گیا ہے۔ احمد اقبال کی صحت و عافیت کے لئے دست بدعا ہوں۔ ☆

تاثرات

ڈاکٹر غلام نبی مومن

احمد اقبال صاحب سے میری پہلی ملاقات بال بھارتی کے ایک ورکشاپ میں ہوئی تھی۔ ڈاکٹر عصمت جاوید صاحب نے اپنے شاگرد رشید کی حیثیت سے ان کا تعارف کرواتے ہوئے کہا تھا کہ موصوف بہت محنتی ہیں اور ہر کام بڑے خلوص اور لگن کے ساتھ کرتے ہیں۔ جب احمد اقبال صاحب اردو لسانی کمیٹی کے رکن نامزد ہوئے اور نشستوں میں شریک ہونے لگے تو عصمت جاوید صاحب کی ایک ایک بات درست ثابت ہوئی۔ آپ ہر میٹنگ میں کتابوں سے لدے پھندے آیا کرتے تھے تا کہ درسی کتابوں کے لئے مواد تلاش کیا جا سکے۔ بعد میں پتہ چلا کہ موصوف کا ایک جھولا ناشتے کے سامان سے بھرا ہوتا تھا اور وہ کمرے میں موجود تمام لوگوں کو ناشتے میں شریک ہونے کی دعوت دیا کرتے تھے۔ (میں نے بھی استفادہ کیا ہے) میں ذاتی طور پر احمد اقبال صاحب کے دو کاموں کو ان کا کارنامہ سمجھتا ہوں۔ ایک تو عصمت جاوید صاحب کی تمام مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تحریروں کو جمع کر کے کتابی شکل میں شائع کروانے میں تعاون کرنا۔ انھوں نے یہ کام اپنے استاد کی حیات میں بھی کیا اور ان کے انتقال کے بعد مرحوم کی اہلیہ کے ساتھ مل کر بھی کئی کتابوں کی اشاعت میں اہم کردار ادا کیا۔

''میرا شہر میرے لوگ'' پر ایک نظر

● ڈاکٹر عظیم راہی (اورنگ آباد)
موبائل : 9423781787

''میرا شہر میرے لوگ'' دراصل شہر اورنگ آباد کے بیتے ہوئے دور ابتلاء اور اس سے منسلک دور حاضر کی علمی' معاشرتی' تہذیبی اور ادبی تاریخ ہے۔ یہ تاریخ شاہوں کے کارناموں کی تاریخ نہیں ہے بلکہ حال ہی میں گزرے ہوئے اور زندہ مشاہیر کا تذکرہ ہے جنھوں نے قوم کی کردار سازی میں اپنی بے لوث' بے غرضانہ اور خاموش خدمات انجام دی ہیں یا جو دے رہے ہیں اور اپنے اس شہر خجستہ بنیاد کے تہذیبی' تعلیمی' علمی اور فنی شعبوں کو مالا مال کیا ہے یا کر رہے ہیں۔'' (ص ۸)

اس کتاب کے دو حصے 'یادرفتگاں' اور 'ذکر ہم نفساں' میں مرحوم اور بقید حیات شخصیات کی خدمات کو پیش کیا گیا ہے۔ حصہ اول میں 'یادِ رفتگاں' کے تحت مولوی ولی محمد خان' مولوی یعقوب عثمانی' مولوی شیخ احمد' غلام جیلانی ہاشمی جیسے قابل اساتذہ کے ساتھ وجدؔ اور راجہ غضنفر علی جیسے ممتاز و مقبول شاعر ہیں تو وہیں افضل حسین حسینی آرٹسٹ کے ساتھ الحاج شیخ لعل پٹیل اور ایڈوکیٹ عیسیٰ خان جیسی قابل قدر شخصیات شامل ہیں۔ 'ذکر ہم نفساں' میں جے پی سعید اور اکبر خاں کے ساتھ علم و ادب کی قدر آور شخصیات میں قاضی سلیم' میر ہاشم اور بشرؔ نواز کے ساتھ چند نامور سماجی و سیاسی ہستیوں میں الف خان اور عبدالعظیم کی حیات اور خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ بقول ڈاکٹر ثاقب انور' 'احمد اقبال کی تصنیف کردہ کتاب ایک لحاظ سے مرہٹواڑہ کی تہذیبی' سماجی' علمی و ادبی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔''

اس سلسلے کی دوسری کڑی کے طور پر ۲۰۰۴ء میں 'میرا شہر میرے لوگ' کا حصہ دوم منظر عام پر آیا' اس کتاب میں بھی 'ذکر ہم نفساں' اور 'یادرفتگاں' کے تحت مضامین شامل ہیں۔ 'ذکر ہم نفساں' میں اورنگ آباد کی ممتاز و مشہور سماجی اور فعال شخصیت ذوالفقار حسین' پروفیسر فاروق محمد خان کے ساتھ جدید لب و لہجے کے شاعر رؤف انجم' دوہوں کے شاعر قاضی رئیس اور جعفر سوزؔ جیسے محنت کش شاعر شامل ہیں اور 'یادِ رفتگاں' میں حافظ محمد حسن' مسیحا صفت ڈاکٹر ہیرالال' لالہ بندا پرشاد شری واستو خیالؔ' شاعر اور پروفیسر غوث ساجد جیسے ممتاز افسانہ و انشائیہ نگار کی اعلیٰ خدمات کا احاطہ کیا گیا ہے۔

اس کتاب کے پیش لفظ میں میر ہاشم' کتاب کی اہمیت اور افادیت کے متعلق یوں رقمطراز ہیں :

''یہ مضامین شخصیت اور زندگی میں جھانکنے کا ذریعہ ہیں۔ ان کی حیثیت تبصرہ یا تنقید کی نہیں ہے۔ وہ اورنگ آباد کی معاشرتی زندگی کے منظرنامے کو پیش کرتے ہیں اور زندگی کی مختلف جہتوں کو سامنے لاتے ہیں۔ اسلوب بیان' سادہ سلیس اور واضح ہے۔ شخصیتوں کے تذکرے کے ساتھ ساتھ وہ اورنگ آباد کی تاریخ اور جغرافیہ کا بھی سرسری تذکرہ کرتے ہیں۔'' (ص ۶)

کتاب کے فلیپ پر ممتاز شاعر و ناقد بشرؔ نواز نے لکھا تھا کہ : ''احمد اقبال نے مختلف اشخاص کے توسط سے اورنگ آباد بلکہ مرہٹواڑہ کے علاقے کی تہذیبی' اخلاقی اور ادبی اقدار تک پہنچنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ فرد سے معاشرے تک پہنچنے کی یہ کوشش اپنی نوعیت میں منفرد اور کامیاب کوشش ہے۔ ہم افراد کے آئینے میں ایک پورے معاشرے کو جیتا جاگتا سانس لیتا' بنتا نکھرتا اور پھر تعمیر نو میں منہمک دیکھ سکتے ہیں۔ اس اعتبار سے یہ مضامین افراد ہی کی نہیں پورے اورنگ آباد کی داستان سناتے ہیں۔''

نورالحسنین نے احمد اقبال کے اسلوب کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے کہ :

''احمد اقبال نے ان شخصیات پر کہیں تفصیلی اور کہیں مختصر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ ان کا اسلوب سیدھا سادہ اور انداز بیان صاف ستھرا ہے۔ انھوں نے اپنی نثر نگاری کی مہارت کو اجاگر کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ اپنے مقصد کو اہمیت دی ہے اور کسی فوٹوگرافر کی طرح اورنگ آباد کی سماجی' معاشرتی' تہذیبی' ادبی مناظر کو اپنی کتاب میں فریز کر دیا ہے۔'' (ص ۱۱)

اس کتاب کے متعلق جے پی سعید کی رائے بھی اہم ہے۔ انھوں نے لکھا تھا کہ :

''مستقبل کا مورخ احمد اقبال کو ایک وقیع' دیانت دار اور حق پسند سوانح نگار تسلیم کرے گا۔ ان کے قلم نے ایک طرف خاموش خدمات گزاروں کو نذرانۂ عقیدت و محبت پیش کیا ہے تو دوسری طرف اورنگ آباد کا نام روشن کرنے کی کوشش کی ہے۔'' (ص ۸)

مجموعی اعتبار سے احمد اقبال کے ان مضامین میں خاکہ نگاری کا فن بھی نظر آتا ہے۔ سوانحی بیان بھی اور کہیں تاثراتی انداز بھی ملتا ہے جو شخصیت کا مکمل عکس پیش کرتے ہیں وہیں ان کی خدمات کی تفصیل بھی دلچسپ انداز میں بیان کی گئی ہے۔ ان مضامین میں بیک وقت اتنے سارے رنگ دکھائی دیتے ہیں کہ آپ کی تحریر میں قوس قزح کے رنگوں کا گمان ہونے لگتا ہے۔ ادبی حلقوں میں ان دونوں کتابوں کی خوب پذیرائی ہوئی اور احمد اقبال کو مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس کا دوسرا ایڈیشن بھی شائع ہوا ___ (باقی صفحہ ۴۹ پر)

ISSN 2320-6519 AKS-E-ADAB *(Quarterly)* Aurangabad.

فرد شناس قلمکار۔ احمد اقبال

● پروفیسر رفیع الدین ناصر
(قومی اعزاز یافتہ معلم)
صدر شعبہ نباتات،
مولانا آزاد کالج اورنگ آباد
موبائل: 8830986377

۸۴ سال کی عمر میں بھی گھنی زلفیں، کشادہ جبیں، ستواں ناک، پُرکشش آنکھیں، نمایاں رخسار، خوبصورت ہونٹ، دراز قد اور خود اعتمادی سے بھرپور لہجہ ایسی شخصیت جس میں انکساری، محبت، اپنائیت، خلوص اور تعاون کا جذبہ ہو تو اُس شخصیت کا نام احمد اقبال ہے۔ آپ کی شخصیت کے کئی اہم پہلو ہیں۔ آپ وظیفہ یاب معلم ہیں۔ ہزاروں طالب علم اورنگ آباد میں آپ سے فیض یاب ہوئے ہیں۔ ہمارے تمام ہمعصر دوست آپ کا اور آپ کی تدریس کا بہت احترام کرتے ہیں اگر اسکولی دور میں ہم اورنگ آباد میں تعلیم حاصل کرتے تو شاید آپ سے شرف تلمذ حاصل کرنے کا باضابطہ موقع فراہم ہوتا لیکن Non formal طریقے سے تعلیم حاصل کرنے کے کئی مواقع فراہم ہوئے، جواب بھی جاری ہے۔

احمد اقبال اورنگ آباد کی ایک ایسی عظیم شخصیت ہے جو شہر کی ہر ادبی محفل کی جان ہوتی ہے۔ شعری نشست ہو، مشاعرہ ہو، محفل افسانہ ہو، کتابوں کا رسم اجراء ہو، تاریخی محفل، سائنسی گفت وشنید ہو، ہر جگہ آپ بہ نفس نفیس موجود رہتے ہیں۔ اقبال اکیڈمی کے تحت اقبالیات کی نشست کو آپ برسوں سے کامیابی سے منعقد کرواتے آرہے ہیں۔ ''عالم گیر ادب'' کتابی سلسلہ میں آپ کی گراں قدر خدمات کا ہر کوئی اعتراف کرتا ہے۔ شہر کی دیگر ادبی انجمنوں سے آپ کی وابستگی اور شرکت کی وجہ سے آپ شہر کے ادباء، شعراء، ماہرین، خدمتگار وغیرہ سے براہِ راست رابطہ میں ہیں اور یہی وجہ ہے کہ آپ نے ان تمام بے لوث خدمت گاروں کو اپنی تحریروں کے توسط سے اردو ادب کو واقف کرایا۔ ''میرا شہر میرے لوگ'' کی تینوں جلدوں میں آپ نے اُن تمام شخصیتوں کے کردار کو پیش کیا جو عوامی خدمت، ادبی خدمت، سائنسی خدمت بے لوث طریقے سے کر رہے ہیں۔ انھیں نام ونمود کی خواہش نہیں ہیں۔

احمد اقبال صاحب کے یہ تمام خاکے اس لئے بھی قابل قدر ہیں کہ اس میں بیشتر افراد اس دنیا سے جا چکے ہیں۔ کچھ ایسے بھی خدمت گار ہیں جو مزدور پیشہ ہیں اور کچھ ایسے بھی قلم کار ہیں جو صرف اور صرف بے لوث خدمت کر کے معلومات بہم پہنچانا چاہتے ہیں۔ احمد اقبال صاحب کی ان بے لوث تحریروں کی جتنی پذیرائی کی جائے کم ہے۔

احمد اقبال صاحب بہت حساس ذہن کے مالک ہیں۔ تین سو سالہ جشن سراؔج میں اُن کی بے لوث خدمات کو جس نے بھی دیکھا بہت تعریف کی۔ شاہ سراؔج کے مقبرے کی درستگی اور اب جب اُس کی حالت بوسیدہ ہوئی تو اس نے احمد اقبال صاحب کو جھنجھوڑ دیا اور اس کے بعد اُن کے رشحات قلم سے نکلی تحریر ''عالم تصور میں سراؔج اورنگ آبادی سے ملاقات'' جب منظر عام پر آئی تو اُس نے اردو دنیا میں ہلچل مچادی۔ اس تحریر کی ہر سطح پر تعریف کی گئی۔ مکالموں کی شکل میں جس خستہ حالی کا ذکر ہوا، اُس کے نتیجے میں شاہ سراؔج کے مقبرے کی از سر نو درستگی ہوئی۔ اس وجہ سے آج مختلف کالجوں کے اردو کے طلبہ وقتاً فوقتاً شاہ سراؔج کے مقبرے کی زیارت کرتے رہتے ہیں۔

احمد اقبال، مولانا آزاد کالج اورنگ آباد کے ابتدائی بیچ کے طالب علم رہے۔ اس لئے اس کالج سے اُن کی وابستگی والہانہ ہے۔ اس کالج میں منعقدہ جشن سراؔج کی تفصیلات کو وہ صفحۂ قرطاس پر بکھیرنے کا اہم فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ اس کے لئے درکار تصاویر کو تلاش کرنے کا کام انھوں نے ہمارے ذمہ کیا تھا۔ تمام سابقہ تصاویر کو دیکھنے کے بعد بھی جشن شاہ سراؔج کے موقع کی تصاویر دستیاب نہیں ہوئی جس کا ہمیں ملال ہے۔

احمد اقبال صاحب کی تحریریں تعمیری نقطہ نظر سے بہت اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔ اس سے نوجوان نسل کو بہت فائدہ ہوتا ہے۔ اشخاص کے خاکے کے توسط سے تہذیبی، ثقافتی، ادبی، اخلاقی اقدار کو احمد اقبال نے جس انداز میں پیش کیا، اس سے پورے معاشرے کی عکاسی ہوتی ہے۔

احمد اقبال صاحب صرف فرد شناس قلمکار ہی نہیں ہیں انھوں نے اپنے رشحات قلم سے جہاں پر بہت سارے افراد کو متعارف کرایا وہیں پر بچوں کے لئے کہانیاں لکھ کر ادب اطفال میں گراں قدر اضافہ کیا۔ معلوماتی مضامین، تعلیمی مضامین، انشائیہ اور ریڈیو فیچرس تحریر کر

کے اردو ادب کو سیراب کیا۔ اُن کی کتاب ''گاہے گاہے باز خواں'' کا مطالعہ کرتے ہیں تو طنز و مزاح کے نشتروں سے پُر مضامین بہترین تفریح کا ذریعہ ثابت ہوتے ہیں۔ پیٹھن کی سیر پڑھنے میں تو ایسا لگتا ہے کہ ہم پیٹھن میں ہیں اور وہاں کے جلووں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ ''گاہے گاہے باز خواں'' میں تاریخی ریڈیو فیچر کے ساتھ محمد حاجی صابو صدیق جیسی عہد ساز شخصیت کے تعمیری کاموں سے بھی واقفیت ہوتی ہے۔ احمد اقبال صاحب نے ان قیمتی ہیروں کو اردو ادب سے واقف کروا کر اردو زبان کی چمک دمک میں بہت اضافہ کیا ہے۔

احمد اقبال ایک سعادت مند طالب علم رہے ہیں۔ اُن کے استاد محترم ڈاکٹر عصمت جاوید شیخ ہمیشہ اُن کی تعریف کرتے رہے۔ احمد اقبال نے اپنے استاد کی تقریباً تمام کتابوں کی ترتیب کا کام انجام دیا۔ یہی نہیں بلکہ ڈاکٹر عصمت جاوید شیخ کے انتقال کے بعد بھی اُن کے مضامین کو یکجا کر کے کتابوں کی شکل میں شائع کیا۔ اس طرح کی سعادت مندی اور بے لوث خدمت بہت کم شاگردوں میں دیکھنے کو ملتی ہے۔

احمد اقبال اپنے حلقہ احباب میں بھی بہت اپنائیت اور خلوص کے نظریہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ اُن کے ہمعصر دوست آج بھی اُن سے جس بے تکلفی کا مظاہرہ کرتے ہیں اُسے دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ان احباب کا ماضی کتنا خوشگوار رہا ہوگا۔

اپنے تجربہ اور خدمات کی روشنی میں شہر کے مختلف تعلیمی، ادبی، سماجی اداروں سے اُن کی وابستگی ان انجمنوں کے لئے باعث افتخار ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ سلسلہ اسی طرح خوشگوار طریقے سے طویل چلتا رہے۔ (آمین)

☆☆☆

بقیہ: ''میرا شہر میرے لوگ'' پر ایک نظر

اور بامو یونیورسٹی کے ایم اے کے نصاب میں پروفیسر رعنا حیدری اور ڈاکٹر مجید بیدار کی مساعی سے ریفرنس بک کے طور پر شامل کی گئی ہے۔

احمد اقبال چونکہ ڈاکٹر عصمت جاوید کے چہیتے شاگرد رہے اور ان کے بہت قریب رہے۔ ان قربتوں میں ان کی رہنمائی اور سرپرستی بھی آپ کو خوب حاصل رہی۔ استاد محترم کی زندگی اور ان کی رحلت کے بعد بھی آپ نے ان کی اہلیہ محترمہ منور جہاں کی رہنمائی میں کئی کتابیں منظر عام پر لانے میں ان کا بڑا تعاون کیا جن میں 'باقیات عصمت جاوید' 'اسرار رموز خودی' 'زبان اور نگ آبادی' وغیرہ قابل ذکر ہیں اور ساتھ ہی آپ نے 'منتخبات عصمت جاوید' اور ممتاز شاعر مرحوم قمر اقبال کی 'کلیات' بھی اُن کے فرزند سہیل اقبال کے ساتھ مرتب کی ہے۔

'میرا شہر میرے لوگ' کی بے حد پذیرائی اور مقبولیت کے بعد احمد اقبال کی اب اس سلسلے کی تیسری کڑی کے طور پر ان ہی خصوصیات کے حامل مضامین کی کتاب کا حصہ سوم جلد ہی منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوگا اور اس کے ساتھ ہی بچوں کی کہانیاں اور انشائیوں پر مشتمل ایک اور مجموعہ بھی منظر عام پر آئے گا۔ انشاء اللہ

دراصل 'میرا شہر میرے لوگ' کے ذریعے آپ نے اس شعبہ میں اپنے علاقے کی گوشۂ گمنامی میں رہیں' ماضی و حال کی ایسی شخصیات کی حیات و خدمات کو منظر عام پر لانے میں ایک اہم کام انجام دیا ہے۔ ۱۹۷۵ء سے آپ اس سلسلے میں سرگرم عمل ہیں لیکن کبھی آپ نے خود کو منوانے یا نمایاں کرنے کی کوشش نہیں کی ہے۔ آپ کی خدمات کے سلسلے میں میر ہاشم کا یہ شعر صادق آتا ہے ۔

ہمارا نام سر انجمن نہیں آتا
کہ ہم کو شہرہ تراشی کا فن نہیں آتا

☆☆☆

تم بھی کتنے مجھ جیسے ہو

احمد اقبال کی نذر

● خان شمیم (اورنگ آباد)
موبائل : 9766424793

تم بھی کتنے مجھ جیسے ہو
شہر کے لوگوں کے دکھوں کو
اپنی آنکھوں سے روتے ہو
خوشیاں خوشیاں خوش ہوتے ہو
تم بھی کتنے مجھ جیسے ہو
لوگوں کو اپنا کرنے میں
دل کا خون جلاتے ہو
اچھوں کو اچھا کہنے میں
بڑا کلیجہ رکھتے ہو
سردی' بارش
دھوپ آگ میں
قریہ قریہ
آہنی گھوڑا دوڑاتے ہو
لفظ لفظ اپنے جنتے ہو
حرف حرف زندہ کرتے ہو
یہ مت سوچو
بعد تمہارے
کوئی جیالا
اپنی مٹی کا دکھیارہ
تم کو جیون دان کرے گا
تم بھی
کتنے مجھ جیسے ہو۔

☆☆☆

AKS-E-ADAB (Quarterly) Aurangabad.
ISSN 2320-6519

تاثرات

☆ بشر نواز

احمد اقبال شعر و ادب کا ستھرا ذوق رکھتے ہیں۔ انہوں نے جن اساتذہ سے فیض اٹھایا وہ اپنے آپ میں ایک ادارے کی حیثیت رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ احمد اقبال زبان و بیان پر بھی نظر رکھتے ہیں اور ادب کے ساتھ ساتھ زندگی کے بارے میں بھی ایک واضح نقطہ نظر رکھتے ہیں۔ یہی وجہ بھی ہے کہ وہ کسی علاقے یا گروہ کی تہذیبی اقدار کو سمجھنے کے لئے صرف مفکروں، ادیبوں، شاعروں پر ہی انحصار نہیں کرتے بلکہ ایسے عام انسانوں پر بھی نظر ڈالتے ہیں جو کسی مخصوص تہذیب و تمدن کی نمائندگی کرتے ہیں۔

زیر نظر کتاب ''میرا شہر میرے لوگ'' ان کے اسی رَوّیے کی نمائندگی کرتی ہے۔ اسی عنوان سے ان کے کچھ مضامین پہلے بھی شائع ہو چکے ہیں اور یہ اس سلسلے کی دوسری کڑی ہے۔

احمد اقبال نے مختلف اشخاص کے توسط سے اورنگ آباد بلکہ مرہٹواڑہ کے علاقے کی تہذیبی، اخلاقی اور ادبی اقدار تک پہنچنے کی کامیاب کوشش کی ہے فرد سے معاشرے تک پہنچنے کی یہ کوشش اپنی نوعیت میں منفرد اور کامیاب کوشش ہے ہم افراد کے آئینے میں ایک پورے معاشرے کو جیتا جاگتا سانس لیتا، بنتا بکھرتا اور پھر تعمیر نو میں منہمک دیکھ سکتے ہیں اس اعتبار سے یہ مضامین افراد ہی کی نہیں پورے اورنگ آباد کی داستان سناتے ہیں۔

☆☆☆

محمد ضیاء الدین احمد شکیبؔ

برادرم احمد اقبال صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ اب کے اورنگ آباد کا سفر بڑا تاثر انگیز رہا۔ برادرم پروفیسر فاروق محمد خان کی محبت کھینچ کر لے گئی لیکن نصف صدی کا ماضی یادوں میں لوٹ آیا۔ اورنگ آباد میں بہت کچھ علمی کام ہوا ہے۔ قاضی سلیم صاحب سے نیاز حاصل نہ ہو پایا اس کا افسوس ہے۔ عنایت علی صاحب اور ان کے دوسرے بھائی صاحبان' ڈاکٹر مظہر محی الدین اور خاص کر پروفیسر فاروق محمد خان اور بشر نواز صاحب کے کام سے میں علمی طور پر متاثر ہوا۔ لیکن آپ نے جو کام کیا ہے۔ وہ ذاتی طور پر میرے لیے بڑا متاثر کن ثابت ہوا۔ کتاب ''میرا شہر میرے لوگ'' میں نے سفر انگلستان کے دوران ہاتھ میں رکھ لی تھی۔ راستے ہی میں پڑھ ڈالی۔ مجھے خود مولوی چراغ علی، افضل حسینی اور مولوی شیخ احمد صاحبین کے شاگرد ہونے کا فخر حاصل ہے میرے والد مولوی محمد مشیر الدین احمد صاحب مرحوم بھی تقریباً تین سال چیلی پورہ اسکول میں مدرس رہے۔ پھر ٹیچرز ٹریننگ کالج میں لیکچرر رہے پھر مدرسہ وسطانیہ شفیع پور (پشور) صدر مدرس پر مامور رہے۔ یہ سب مارچ ۱۹۴۳ء اور دسمبر ۱۹۴۸ء کے درمیان ہوا۔ اس میں بہت داستانیں ہیں۔ یعقوب عثمانی صاحب ہمارے عزیزوں میں تھے۔ کتاب ''میرا شہر میرے لوگ'' کے حصہ یا دِرفتگاں کے سبھی لوگ میرے والد ماجد کے احباب میں تھے۔ سب کی صورتیں میری نظروں میں پھر گئیں' اس کتاب کو میں نے اپنے ذخیرہ کتب میں ایک ہم سرمایہ کے اضافے کی حیثیت سے محفوظ کر لیا۔ بہت بہت مبارک آپ نے ایک نہایت مبارک کام انجام دیا۔ ظاہر ہے کہ یہ مضامین مختلف اوقات میں لکھے گئے اس لیے تکرار و اعادہ اور بعض جگہ معلومات کی کمی ہے مجھے یقین ہے کہ انشاء اللہ اس کا دوسرا ایڈیشن جب بھی مرتب ہوگا اس میں ان امور کو استوار کرنے کے علاوہ اور بہت سے لوگوں کا تذکرہ شامل ہوگا۔ اس میں ان لوگوں کا تذکرہ نہیں ہے جو باہر سے اورنگ آباد آئے تھے اور وہاں انہوں نے اہم خدمات انجام دی تھیں۔ مثلاً صدیق جائسی صاحب، شوکت صاحب، خود میرے والد مولوی محمد مشیر الدین احمد صاحب' مغربی صاحب، بھگتل خاندان' شرف الدین صاحب اور بہت سے لوگ یہ سب تعلیم سے متعلق تھے۔ تعلیم سے ہٹ کر اگر نام لئے جائیں تو یہ فہرست بہت طویل ہو جائے گی۔

آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے اپنی کتاب مجھے عنایت کی۔ مجھے خوشی ہوئی کہ آپ نے یہ کام کیا اگرچہ کاغذ اور کتابت بہت اچھی نہیں لیکن غلطیاں بہت کم ہیں جس سے آپ کی علمیت، لگن اور محنت کا اندازہ ہوتا ہے۔ جزاک اللہ.....

☆☆☆

وکیل نجیب (ناگپور)

۲۸۔۱۔۱۹۹۹ء

''مکرمی احمد اقبال صاحب

''میرا شہر میرے لوگ'' گذشتہ دو دنوں سے میرے مطالعے میں ہے۔ مجھے ڈاکٹر لطیف سبحانی صاحب کے ہاتھوں آپ کی کتاب ملی۔ مصروفیت کی وجہ سے پہلے اس کا مطالعہ نہ کر سکا تھا۔ پہلا مضمون ''مولوی چراغ علی کی تعلیمی خدمات'' پڑھ کر نہ صرف موصوف کی جامع شخصیت آنکھوں میں پھرنے لگی بلکہ تعلیم کے تئیں ان کی بے لوث خدمات سے ایک عجیب جذبہ دل میں پیدا ہوا کاش ہم بھی اپنی قوم کے بچوں اور افراد کے لیے اس کا تھوڑا بھی حصہ کر لیں تو سرخرو ہو جائیں۔

آپ کی تحریر میں کافی روانی اور سلاست ہے بڑی مربوط تحریر ہے آپ نے شخصیتوں کے تمام گوشوں کو اجاگر کرنے کی حتی الامکان کوشش کی ہے۔ جس سے نہ صرف یہ کہ اورنگ آباد کی سماجی زندگی نظروں کے سامنے آجاتی ہے بلکہ ان معزز اور باوقار شخصیتوں کے کارنامے بھی معلوم ہوجاتے ہیں۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ اتنے کم عرصے میں اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن منظر عام پر آیا جو کہ اس کی مقبولیت کا بین ثبوت ہے میں اس کتاب کے اجراء کے جلسے میں اتفاقاً پہنچ گیا تھا اور کتاب کے تعلق سے سیر حاصل مباحث سے مستفیض ہوا اور اب اس کتاب کے مطالعے سے مستفید ہو رہا ہوں موقع ملا تو اس کتاب کے متعلق تفصیلی مضمون لکھ کر کسی رسالے کو روانہ کروں گا اور آپ کے نام کی روشنی سے خود کو منور کرنے کی کوشش کروں گا۔

☆☆☆

ڈاکٹر محمد صدر الحسن ندوی مدنی

(صدر اقبال اکیڈیمی اورنگ آباد دکن)

اورنگ آباد کی مردم خیز سرزمین اس اعتبار سے لائق تحسین اور سزاوار آفریں ہے کہ اس کی آغوش میں ایسے ایسے آبدار موتی اور گل ہائے رنگ رنگ پروان چڑھے۔ جن کی رعنائی اور شب تابی پر آج بھی عقل محو حیرت ہے۔ ایسی شخصیتیں جو خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گلِ کوزہ کا مصداق تھیں۔ حالات کی ناسازگاری اور شعور و آگہی سے نابلد ماحول میں خود گیری کی منزلوں کو طئے کرتے ہوئے اس مقام تک پہنچیں، جہاں تک رسائی کی انھوں نے منصوبہ سازی کی تھی۔ ان آہنی شخصیات میں ایک اہم نام جناب احمد اقبال کا ہے۔ وہ ایک متوسط گھرانے کے چشم و چراغ ہیں لیکن وہ اپنی بلند نگہی اور پیش بینی کے طفیل ایک استاذ، ایک مربی، ایک خوش نویس اور اس سے بڑھ کر ایک مصنف کے مقام تک پہنچے۔ وہ ۵/نومبر ۱۹۴۰ء کو دورِ غلامی میں پیدا ہوئے لیکن آزاد کالج کی فضا نے ان کو غلامانہ سوچ سے آزاد کیا اور اپنے دور کے نامور اور یگانہ روزگار اساتذہ سے فیضیاب ہوئے۔ جناب احمد اقبال نے اپنی کتاب ''میرا شہر میرے لوگ'' میں اورنگ آباد کے مشہور وکیل عیسیٰ خان صاحب کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ وہ ''خود پرداختہ'' (self made) تھے لیکن حقیقت یہ ہے کہ خود احمد اقبال بھی اسی زمرہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم سے لے کر ایم اے اردو تک کا سفر کس طرح طئے کیا وہ بذات ایک حکایت غریب ہے اور بقول غالبؔ ؎

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو
میری سنو جو گوشِ حقیقت نیوش ہے

انھوں نے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز مولانا آزاد ہائی اسکول اورنگ آباد سے کیا اور تین دہائیوں تک علم و آگہی کے لعل و گہر لٹاتے رہے۔ اس طویل مدت میں ہزاروں طلبہ نے آپ سے کسب فیض کیا۔ کچھ عرصہ خلد آباد مولانا آزاد ہائی اسکول کے صدر مدرس بھی رہے۔

انھوں نے جس علمی سفر کا آغاز کیا تھا اس کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ تدریس کے ساتھ انھوں نے تصنیف کو بھی مشعل راہ بنایا اور شہر اورنگ آباد کی نامور شخصیات کے خاکوں پر مشتمل ''میرا شہر میرے لوگ'' کے نام سے تین جلدیں بھی شائع کیں اور اب چوتھی جلد کی تیاری جاری ہے۔ ان اجزاء میں احمد اقبال کے قلم کی جولانی کو آپ ملاحظہ کرسکتے ہیں۔ انھوں نے مولوی چراغ علی، مولوی ولی محمد خاں، یعقوب عثمانی، شیخ لعل پٹیل، ایڈوکیٹ عیسیٰ خاں، غلام جیلانی ہاشمی، عائشہ آپا صاحبہ، افضل حسین (حسینی آرٹسٹ)، مولوی شیخ احمد، حلیم صدیقی، ڈاکٹر عصمت جاوید شیخ، ذوالفقار حسین، اختر الزماں ناصر، ایڈوکیٹ سردار دلیپ سنگھ، مظہر محی الدین، قاضی سلیم، میر ہاشم، جے پی سعید، بشیر نواز، الف خاں، عبدالعظیم، اکبر خاں اور ان جیسے درجنوں شخصیات کے کمالات سے نئی نسل کو روشناس کرانے کی کوشش کی ہے۔

احمد اقبال نے مشاہیر اورنگ آباد کے خاکوں کی سلوٹوں میں صرف خاکے ہی پیش نہیں کئے ہیں بلکہ ان میں اورنگ آباد کی ثقافتی، تعلیمی اور گنگا جمنی تہذیب کے نقوش کی رنگارنگی بھی دیدہ و دل کو سامان زیست فراہم کرتی ہے۔

احمد اقبال کو اردو زبان پر خلاقانہ قدرت حاصل ہے اور وہ اس کا بیباکانہ استعمال کرتے ہیں۔ آج کل عموماً ملازمت سے سبکدوشی کے بعد پوری زندگی یار باشی کی نذر ہوجاتی ہے لیکن احمد اقبال جو اس وقت زندگی کی صحت و عافیت کے ساتھ ۸۵/ویں بہار میں قدم رکھ چکے ہیں، اب بھی قلم کاری میں مصروف ہیں۔ اورنگ آباد کے مشہور شاعر سراجؔ اورنگ آبادی سے ان کی ہم کلامی کی داستان اب بھی بزم ادباء میں دادِ تحسین وصول کر رہی ہے۔ وہ ایک لمبے عرصہ تک اردو بال بھارتی سے منسلک رہے ہیں اور نصابی کتب کی تدوین میں انھوں نے قابل ذکر نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ وہ مرنجاں مرنج طبیعت کے مالک ہیں۔ شہر کے علماء، ادباء سے ان کے علمی و ادبی مراسم ہیں۔ وہ اپنے سفر پر رواں دواں ہیں اور بغیر کسی ستائش کی تمنا کے اپنی علمی و ادبی سرگرمیوں میں ہمہ تن مصروف ہیں۔

جس شخصیت کے نام کا جز اقبال ہو بھلا وہ اقبالؔ سے کیسے دور رہ سکتا ہے۔ موصوف اورنگ آباد کی اقبالؔ اکیڈمی کے نہ صرف رکن رکین بلکہ اس کے سکریٹری ہیں اور تقریباً تیس سالوں سے اس سے وابستہ ہیں۔

ان کے اندر ڈاکٹر عصمت جاوید شیخ، اختر الزماں ناصر، جے پی سعید اور ڈاکٹر محمود صدیقی کے توسط سے اقبال کے پیغام کو عام کرنے کا جو سودا سمایا ہوا تھا وہ سودا آج بھی نصف النہار پر ہے اور وہ ۲۰۲۴ء میں بخوبی اس فریضہ کو نبھا رہے ہیں۔ اللہ ان کو ثابت قدم رکھے اور ادب و زبان کی زیادہ سے زیادہ خدمت لے۔ ان میں اللہ نے بے شمار خوبیاں رکھی ہیں۔ ان تمام صفات کو یکجا کیا جائے تو اس سے ''احمد اقبال'' کا خاکہ تیار ہوتا ہے۔

☆☆☆

سلیم شہزاد (مالیگاؤں)

اقبال صاحب اتنے عام آدمی ہیں کہ عام آدمی پارٹی کا آدمی بھی اتنا عام نہیں ہوگا۔ اللہ بھلا کرے بال بھارتی پونے والوں کا جنھوں نے اقبال صاحب سے ملنے کے لئے بلکہ بار بار ملنے کے موقعے فراہم کئے۔ اول اول کی ملاقاتوں میں وہ اتنے کھلے نہیں، وہ زیادہ تر گیسٹ روم میں اپنے سو سال پرانے ٹرانسسٹر سے کان لگائے دو سو سال پرانے گیت سنتے دکھائی دیتے یا حسن فاروقی صاحب سے لڑتے جھگڑتے رہتے۔ معلوم نہیں ان میں کس بات پر بحث چلتی رہتی۔ میں نے فاروقی صاحب سے ان کے بارے میں معلوم کرنا چاہا تو یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ جناب اورنگ آباد کے باسی ہیں مگر ہر وقت تر و تازہ رہتے ہیں۔ کچھ حد تک ان سے ہمارا رشتہ یوں نکل آیا کہ ہم بھی اقبال صاحب کی طرح ڈاکٹر عصمت جاوید صاحب کے مرید تھے جب ہم اپنی فرہنگ ادبیات ترتیب دے رہے تھے تب ڈاکٹر صاحب سے طرح طرح کے سوالات کرتے تھے۔ ان کے لاڈلے شاگرد سے ملنے لگے تو بہت بے تکلفی ہوگئی۔ جناب کسی بات کا برا نہیں مانتے، ہر وقت خوش رہتے اور ہر ایک کو خوش رکھتے۔ خاص طور پر بمبئی کے بابو کو۔ میٹنگ میں آتے تو کپڑے لتے سے زیادہ گھر سے کھانے کی طرح طرح کی چیزیں تھیلا بھر کے ضرور لاتے۔ ناشتے کے وقت خود چادر بچھاتے اور ایک ایک کو پکڑ کر کھانے میں شریک کرتے۔ ہنسی، قہقہے، گانا بجانا فاروقی صاحب سے روٹھ جانا، پھر خود ہی من جانا، معلوم نہیں اللہ میاں نے انھیں کس مٹی سے گھڑا ہے۔ اللہ کرے ان کا سایہ ہم سب پر اور ان کے اقارب پر زمانوں تک بنا رہے۔ آمین

اقبال صاحب تعلیم و تعلم کے ساتھ صاحب قلم بھی ہیں۔ ''میرا شہر میرے لوگ'' کے نام سے انھوں نے تین حصوں میں اورنگ آباد کی معروف غیر معروف ہستیوں پر کئی مضامین لکھے اور انھیں شائع کروایا ہے۔ اس ذیل میں ان کے وہ تالیفی کارنامے بھی آتے ہیں جنھیں اردو ادب کی تاریخ میں یاد رکھا جائے گا اور یہ کام ہیں اپنے استاد ڈاکٹر عصمت جاوید کے مضامین کی اشاعت۔ ان کے جو مضامین شائع ہونے سے رہ گئے تھے اقبال صاحب نے انھیں یکجا کر کے کتابی صورت میں چھپوایا۔ اس طرح یہ اردو زبان و ادب کی بڑی خدمت ہے۔ استاد کے مضامین مہیا کرنے میں ڈاکٹر صاحب کی اہلیہ مرحومہ نے بھی سچے دل سے تعاون کیا ہے۔ ان کی خدمات بھی یاد رکھی جائیں گی۔ ان شاءاللہ

☆☆☆

مسعود اختر

استاد محترم احمد اقبال صاحب کی محبت و صحبت، آپ کی موجودگی و سرپرستی، رہبری، رہنمائی کڑی دھوپ میں سایہ دار درخت کی مانند ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں نظر بد سے بچائے، بہترین صحت، چاق و چوبند، متحرک و فعال اس قدر سرگرم و سرگرداں کہ استاد محترم ہمارے چھوٹے بھائی نظر آئیں۔ آپ کی تصنیف کردہ کتاب ''میرا شہر میرے لوگ'' کی مقبولیت اور پذیرائی کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ وہ اب تک تین حصوں میں شائع ہو چکی ہے۔ اس کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں شہر کی مشور و معروف ادبی، تعلیمی، سماجی اور سیاسی شخصیات شامل ہیں وہیں کچھ سیدھے سادے، مخلص اور محنتی افراد بھی شامل ہیں۔ والد محترم مولوی اختر الزماں ناصر کے انتقال کو مکمل ۲۴ برس ہو چکے ہیں لیکن احمد اقبال صاحب اور عالی جناب صدرالحسن ندوی صاحب، اقبال اکیڈمی کے کاز کو بڑے انہماک اور مستعدی کے ساتھ تھامے ہوئے ہیں۔ اقبالیات کی نشستیں اپنے شیڈول کے مطابق ہوتی رہتی ہیں، نہ صلے کی پرواہ نہ ستائش کی تمنا، بعض اوقات شرکاء کی تعداد بہت کم رہتی ہے لیکن اس سے دل برداشتہ، بدل اور بدظن ہوئے بغیر ثابت قدمی اور مستقل مزاجی سے لگے ہوئے ہیں، اپنے کام میں صرف اس غرض کے ساتھ کے سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے۔ اس امید کہ ؎

آتے آتے آئے گا ان کو خیال
اور جاتے جاتے بے خیالی جائے گی

☆☆☆

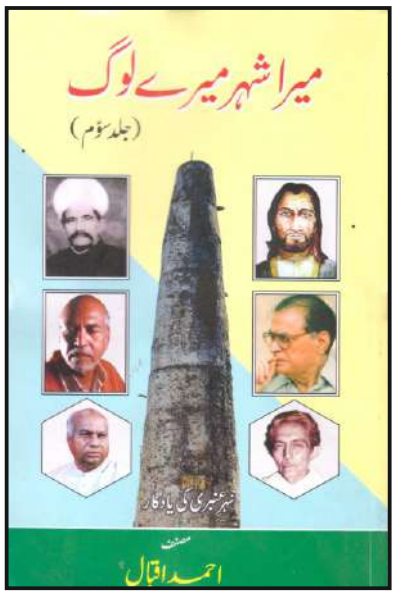

عالمِ تصوّر میں -- سراجؔ اورنگ آبادی سے ملاقات

● احمد اقبال (اورنگ آباد)

(مقام: شہر خموشاں یعنی ''پنج کنواں قبرستان'' جسے تکیہ شاہ سراجؔ بھی کہتے ہیں۔ وقت تقریباً ڈھائی بجے دن)

احمد اقبال: السلام علیکم۔ جناب شاہ سراجؔ صاحب

سراجؔ: وعلیکم السلام۔ کون ہو بھائی، میں نے تمہیں پہچانا نہیں؟

احمد اقبال: جی میں اردو کا ایک ادنیٰ طالب علم ہوں۔

سراجؔ: مگر تم نے مجھے پہچانا کس طرح؟

احمد اقبال: جی وہ۔ آپ کو دیکھا تو آپ ہی کا ایک شعر یاد آ گیا۔

سراجؔ: کون سا شعر میرے بھائی؟

احمد اقبال: جی وہ۔

شہِ بے خودی نے عطا کیا مجھے اب لباس برہنگی
نہ خرد کی بخیہ گری رہی نہ جنوں کی پردہ دری رہی

سراجؔ: ارے میاں! مجھ پر وہ کیفیت ایک عرصے تک تھی۔ اسی عالم میں وہ شعر ہو گیا تھا۔ اب بھی کبھی کبھی جی چاہتا ہے کہ بے خودی کی وہی کیفیت طاری ہو جائے۔ لیکن تمہیں یہ شعر ملا کہاں سے؟

احمد اقبال: جی وہ آپ کے ایک چاہنے والے عبدالقادر سروری تھے، انہوں نے آپ کا ضخیم کلیات ترتیب دے کر شائع کروایا تھا۔ اسی میں یہ شعر دیکھا تھا۔

سراجؔ: ارے میاں! ہماری فکر پریشاں، چمن میں ادھر اُدھر بکھری پڑی تھی، انہوں نے اچھا کیا کہ یکجا کر دیا۔ چلو اچھا ہے لوگوں نے مجھے یاد تو رکھا۔

احمد اقبال: آپ کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ آپ کی غزلیں طلباء کو پڑھائی جاتی ہیں۔

سراج: کیا مکتبوں اور مدرسوں میں؟

احمد اقبال: جی نہیں، فوقانیہ مدرسہ سے لے کر اعلیٰ جماعتوں تک کے طلباء کو پڑھائی جاتی ہیں۔

سراجؔ: اچھا !!

احمد اقبال: جی ہاں!

سراجؔ: بھلا تم یہاں قبرستان میں کیا کرنے چلے آئے؟

احمد اقبال: جی وہ میرے ایک قدیم دوست عزیز اللہ صدیقی کا انتقال ہو گیا۔ ان کا جنازہ جامع مسجد سے آ رہا ہے۔

سراجؔ: اور تم گئے نہیں نماز جنازہ میں؟

احمد اقبال: جی میں نماز جنازہ میں شامل تھا۔ اس کے بعد اپنی گاڑی پر دوسرے راستے سے ہوتا ہوا یہاں آ گیا۔

سراجؔ: واہ کیا زمانہ آ گیا ہے! ابھی تم کہہ رہے تھے کہ وہ تمہارے بہت پرانے دوست تھے۔ تم ان کے جنازے کے ساتھ نہ آتے ہوئے پہلے ہی یہاں پہنچ گئے۔ میاں ہم تو خلد آباد تک ننگے پاؤں، تمام تکلفات سے بے نیاز، فاصلے اور دن رات کی پروا کئے بغیر چلے جاتے تھے۔ خیر ہاں تو بتاؤ کیا حال ہے شہر کی ادبی سرگرمیوں کا؟ کیا اب بھی مشاعروں کی محفلیں ہوتی ہیں؟

احمد اقبال: جی کیا بتاوں۔ ہمارے ہاں اردو دوستوں میں کسی بات پر اتفاق و اتحاد ہی نہیں ہر ایک اپنی اپنی ڈفلی پر اپنا اپنا راگ الاپ رہا ہے۔

سراجؔ: میں سمجھا نہیں تم کیا کہہ رہے ہو؟

احمد اقبال: جی! آپ کے بعد سے تا حال اچھے شاعر اور اساتذہ اب نہیں رہے۔ اب ___

سراجؔ: (بات کاٹتے ہوئے) ہاں ہاں۔ ان میں سے اکثر سے ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ آزاد بلگرامی، کچھی نرائن شفیق، صفی، عبدالحق، شیخ چاند، وجد، قاضی سلیم، یعقوب عثمانی وغیرہ ملتے رہتے ہیں۔

احمد اقبال: جی جی۔

سراجؔ: ابھی کچھ عرصہ پہلے تمہارے جے پی سعید بھی آ کر ملے۔ ان سے پہلے عصمت جاوید، اختر الزماں ناصر، ان کے فرزند جاوید ناصر بھی آئے تھے۔ وہ بتا رہے تھے کہ انہوں نے اردو کے لئے بہت کچھ کیا ہے؟

احمد اقبال: جی، بجا ہے۔ جناب سراجؔ صاحب آپ یہ بتائیے کہ آپ اپنے گنبد سے باہر کیوں کر نکل آئے؟

سراجؔ: میاں! بہت دنوں سے میں اکیلے پن کا شکار ہو رہا تھا۔ کچھ لوگوں نے میری قبر کو ایک تنگ و تاریک کوٹھری میں بند کر کے اس پر ایک گنبد بھی بنا دیا۔ اور ستم تو یہ ہوا کہ انہوں نے 'دو عدد دروازے بنا دے لیکن ان پر بڑے تالے پڑے ہیں۔ برسوں سے تازہ ہوا کا جھونکا تک نہ آیا۔ نہ اندر سے کھولا جائے اور نہ باہر سے ہی کوئی اندر آئے۔ یہ تو اسی صورت میں ممکن ہوتا کہ کوئی اللہ کا بندہ میری سالگرہ پر نہ سہی برسی پر ہی ایک مرتبہ آ کر چراغ جلا جاتا۔ میں اندر ہی اندر اس چہار دیواری میں گھوم لیا کرتا تھا۔ وہ تو اچھا ہوا کہ اس میں ایک چھوٹی سی دراڑ بن گئی۔ جھانک کر دیکھا تو بہت بھلا لگا۔ اس طرح میرے باہر نکل آنے کا راستہ بن گیا۔ سوچا کہ دیکھیں باہر سے ہمارا یہ مکان کیسا نظر آتا ہے۔ آس پاس میں دیکھو، کھلے میدان میں قبریں بنی ہیں۔ سرسراتی ہوا، چاروں طرف درخت، ہریالی، واہ! کیا نظارہ ہے۔ جی خوش ہو گیا۔ لڑکے بالے کھیل کود رہے ہیں، کچھ بچے گلی ڈنڈا کھیل رہے ہیں، کچھ کنچوں سے جی بہلا رہے ہیں۔ تتلیاں پکڑنے والے بچے بھی قبروں کو پھلانگتے نظر آئے۔ لوگ بھی اِدھر اُدھر آ جا رہے ہیں۔ بکریاں اور کتے بھی ہمیشہ نظر آتے ہیں۔ سوچتا ہوں یونہی باہر بیٹھا یہ سب دیکھتا رہوں۔ وہاں اندر میرا دم گھٹتا ہے۔ ڈرتا ہوں اگر یہ

گنبد اچانک ڈھے جائے تو میرا تو نام ونشان تک مٹ جائے گا۔ ذرا پلٹ کر دیکھو جگہ جگہ سے پلاسٹر اکھڑ گیا ہے۔ اِدھر اُدھر گھاس اور چھوٹے چھوٹے پودے اُگ آئے ہیں۔ دیواریں خوب پانی پی رہی ہیں۔ سنا ہے ہمارے کوئی متولی بھی ہیں؟

احمد اقبال: جی ہاں! میں انہیں اچھی طرح جانتا ہوں۔ سید احمد معراج ان کا نام ہے۔ بے چارے بڑے سیدھے سادھے آدمی ہیں۔

سراجؔ : ذرا انہیں میرے پاس بھیجو۔ خوب کھری کھری سناؤں گا انہیں۔ تمہارا وہ اوقاف کا محکمہ کیا کر رہا ہے۔ ہے بھی یا نہیں؟

احمد اقبال: حضور، اوقاف کا محکمہ موجود ہے، دراصل اسے اپنے ہی معاملات سے فرصت نہیں۔ اگر فرصت ہوتی تو کم از کم پن چکی کے حالات درست نا کرتے۔ ویسے بھی بے چارہ وقف کا محکمہ ہمیشہ کسی نہ کسی دباو میں رہتا ہے۔ سنا ہے ہمارے شہر کی ایک معروف شخصیت، اردو دوست ناصر الدین قادری اس کے صدر نشین بنائے گئے ہیں۔ امید ہے وہ اس طرف ضرور توجہ کریں گے۔

سراجؔ : کیا تمہارے شہر میں کوئی ایسا نہیں جو ہم جیسے مظلوموں کا خیال رکھے؟

احمد اقبال: جی وہ ایک میر مجاہد علی ہیں، مگر___

سراجؔ :مگر کیا؟

احمد اقبال: وہ بے چارے آج کل مختلف قبرستانوں کی خاک چھانتے پھر رہے ہیں۔

سراجؔ: بھلا وہ کیوں؟

احمد اقبال: دراصل انہیں آپ کے پیشرو ولی اورنگ آبادی کی قبر کی تلاش ہے۔

سراجؔ: ارے میاں! یہ کیا ستم ظریفی ہے، انہیں ولیؔ کی قبر کی تلاش ہے جو کہیں معدوم ہوگئی ہے۔ میری قبر تو موجود ہے، کیا انہیں میرا کوئی خیال نہیں آتا؟ کیا زمانہ آگیا ہے، شاید انہیں اور ان جیسے لوگوں کو اس بات کا انتظار ہے کہ کچھ عرصہ بعد میری قبر بھی تلاش کرتے پھریں۔

احمد اقبال: جی میں ان سے ضرور کہوں گا کہ وہ اس جانب بھی توجہ کریں۔

سراجؔ: نہیں میاں! ایسا کرو، انہیں میرے پاس بھیج دو۔ میں خود ان سے بات کروں گا۔

احمد اقبال: جی مناسب ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو اسلم مرزا اور آغا مرزا بیگ کو بتاوں کہ انہیں اگر ولی کی طرف سے فرصت ملی گئی ہو تو کچھ آپ کی طرف بھی توجہ کریں۔

سراجؔ: ہاں بھائی! تم ان سے کہہ سکتے ہو۔ عصمت جاوید بتا رہے تھے کہ اسلم مرزا، ولیؔ کے بارے میں خاصا کام کر چکے ہیں۔

احمد اقبال: جی ہاں! یہ بات درست ہے۔ اچھا شاہ صاحب، کچھ اور بتائیں۔

سراجؔ: میاں کیا بتاوں، جب سے اپنی قبر سے باہر نکل کر املی کے اس پیڑ کے نیچے بیٹھتا ہوں میرا وقت اچھا گزر جاتا ہے۔ ہزاروں لوگ جنازوں کے ساتھ آتے ہیں، لیکن کسی کو توفیق نہیں ہوتی کہ دو منٹ یہاں آکر میرے مزار پر بھی فاتحہ پڑھے۔ شمع کون جلائے گا انہیں تو فاتحہ تک کی توفیق نہیں۔ ان میں سے شاید بہت سوں کو یہ بھی پتہ نہ ہوگا کہ یہاں سراجؔ دفن ہے۔ لوگ آتے ہیں۔ ادھر اُدھر بیٹھتے ہیں، کچھ خوش گپیوں میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ کچھ مارے غم کے گرم گرم آہیں بھرتے ہیں۔ ان کے منہ سے دھواں نکلتا صاف نظر آتا ہے۔ اور کچھ تو خون تھوکتے بھی نظر آتے ہیں۔ اللہ انہیں صبر وضبط عطا فرمائے۔ یہ سب دیکھ دیکھ کر میرا کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے۔

احمد اقبال: جی! جی! شاہ صاحب اور کچھ ارشاد فرمایئے۔

سراجؔ : میاں اور کیا بتائیں۔ ہم ٹھہرے فقیر منش۔ قناعت اور تسلیم ورضا ہمارا مسلک ہے! ہاں تم کہہ رہے تھے کہ اس شہر کے لوگ خانوں میں بٹے ہوئے ہیں؟ میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔

احمد اقبال: جی وہ مشاعروں کی بات ہو رہی تھی۔ مشاعرے تو اب ہوتے ہی نہیں۔ مشاعرے شعری نشستوں میں سمٹ گئے ہیں۔ شہر میں کچھ لوگ ہیں جن میں ایک صاحب ہیں عبدالوہاب جذب اور دوسرے ہیں احمد محی الدین حکمؔ اور ایک ہیں حمید اورنگ آبادی جو کبھی کبھی اپنے ہم خیال احباب کو ایک جگہ جمع کرتے ہیں، اسے وہ شعری نشست کہتے ہیں، اسے ہم جیسے لوگ غنیمت سمجھتے ہیں کہ چلو مشاعرے نہیں تو شعری نشست ہی سہی۔

سراجؔ: یہ حضرات آخر کس کے شاگرد ہیں؟

احمد اقبال: حضور! وہ اصلاح اور تربیت دینے اور لینے کا سلسلہ تو جے پی سعید پر ہی ختم ہوگیا۔

سراجؔ: اور کیا سرگرمیاں ہیں؟

احمد اقبال: جی ایک اور طرح کی سرگرمی ''اقبال اکیڈمی'' کے نام سے یہاں جاری ہے۔ اس میں آپ سے بہت بعد کے ایک شاعر اقبال کے کلام کی مولانا صدرالحسن ندوی مہینے میں دو مرتبہ تشریح کرتے ہیں۔ اس سے پہلے یہی خدمت اختر الزماں ناصر اور عصمت جاوید کے ذمہ تھی۔

سراجؔ: میاں! سچ بتانا، کیا ہمارا نام بھی کبھی لے لیتے ہیں لوگ؟

احمد اقبال: نہیں حضور۔ ایسی بات بھی نہیں کہ لوگ آپ کو بھول گئے ہیں۔ کچھ برسوں پہلے شہر کے کچھ ذمہ داروں، قاضی سلیم، صفی الدین صدیقی، مقتدر نجم، جے پی سعید، فاروق محمد خان، بشر نواز، عصمت جاوید،

خواجہ معین الدین، محمد تلاوت علی، نورالحسنین وغیرہ نے رفیق زکریا کی سرپرستی میں آپ کا تین سو سالہ جشن منایا تھا۔ یہ عظیم الشان اور باوقار جشن عرصے تک لوگوں کے ذہنوں پر چھایا رہا۔ اس جشن کے موقع پر آپ کے فن اور شخصیت پر مقالے پڑھے گئے تھے۔ طرحی مشاعرہ بھی ہوا تھا۔

سراج: اچھا!! اس کے بعد کیا پھر کسی کو ہماری یاد آئی یا مزید تین سو سال گزرنے کے بعد ہمارا ایک اور جشن منایا جائے گا؟

احمد اقبال: شاہ صاحب! ہم شرمندہ ہیں۔ اس کے بعد واقعی کسی کو آپ کی یاد نہیں آئی۔ دیکھئے لوگ وجد بھول گئے، یعقوب عثمانی کی کسی کو یاد تک نہیں آتی۔ اختر الزماں ناصر، عصمت جاوید، قاضی سلیم اور جے پی سعید کا نام کبھی کبھی لیا جاتا ہے۔ اب نہ وہ ادبی مذاکرے ہیں اور نہ مشاعرے، لوگ فرصت کے اوقات میں ٹی وی کے سامنے بیٹھے رہتے ہیں۔

سراج: کیا کہا تم نے بی وی کے سامنے کیوں بیٹھے رہتے ہیں۔

احمد اقبال: جی نہیں حضور۔ بی وی کے سامنے نہیں۔ میں نے ٹی وی کہا تھا۔

سراج: یہ کیا چیز ہے؟

احمد اقبال: دراصل یہ ایک جدید قسم کی مشین ہے۔ جس میں عجیب عجیب مناظر، مار دھاڑ کی فلمیں، اور کبھی کبھی بڑے مشاعرے بھی دکھائے جاتے ہیں، ان میں شاعر حضرات قوالوں کی طرح اونچی اونچی تان لگا کر اپنا کلام سناتے ہیں۔ ویسے آج کل سیلاب کے مناظر زیادہ نظر آتے ہیں۔

سراج: سیلاب کے مناظر؟

احمد اقبال: جی ہاں!! اس مرتبہ ساری دنیا میں خوب بارش ہوئی۔ بادل پھٹنے کے واقعات بھی ہوئے۔ کئی مقامات پر سیلاب آئے۔ جان و مال کا کافی نقصان ہوا۔

سراج: میں سمجھ گیا، گنبد سے پانی ٹپکنے پر ہی اندازہ ہو گیا تھا۔

احمد اقبال: میں یہ مشین کسی وقت آپ کو دکھاؤں گا۔

سراج: ارے میاں! یہ تمہاری جیب سے بار بار سیٹی کی آواز کیوں آرہی ہے؟

احمد اقبال: جی حضور! یہ بھی ایک جدید قسم کی چھوٹی سی مشین ہے۔ اسے موبائل فون کہتے ہیں۔ اسے جیب سے نکال کر منہ اور کان کے پاس لا کر کسی دور افتادہ سے بات چیت کی جاتی ہے۔ وہ جو کسی نے کہا ہے ''جب ذرا گردن جھکائی تصویر یار دیکھ لی'' یہاں معاملہ دوسرا ہے۔ گردن جھکا کر دیکھ بھی سکتے ہیں، بات سن بھی لیتے ہیں اور بات کر بھی سکتے ہیں۔ اور کسی کو پتہ بھی نہیں چلتا۔ آج کل یہ چیز ہمارے نوجوان بچوں میں بے حد مقبول ہو رہی ہے۔

سراج: میاں جن چیزوں کے بارے میں تم بتا رہے ہو، اسے سن کر ہی میں حیران و پریشان ہو رہا ہوں۔ پتہ نہیں اس کا انجام کیا ہو؟ اللہ خیر کرے۔

احمد اقبال: اگر آپ پسند کریں تو آپ کے لئے ایک موبائل لے آؤں۔

سراج: میاں، مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ ویسے ہم کسی وسیلے کے بغیر بات کرنے کے قائل ہیں۔ تم نے سنا نہیں، ''دل سے دل کو راہ ہوتی ہے'' تم مجھے بھلے آدمی لگتے ہو، کبھی کبھی آجایا کرو۔ دیکھو کچھ لوگ آرہے ہیں، معلوم ہوتا ہے تمہارا انتظار ختم ہو گیا ہے۔ میں چلتا ہوں۔ خدا حافظ

☆☆☆

☆☆☆☆

توشیحی نظم بنام ڈاکٹر عظیم راہی

ڈاکٹر یوسف صابر (اورنگ آباد)
موبائل : 9326772575

ع ظ ی م ر ا ہ ی

عمل پیہم لگن ہر دم ہے ان کا عزم مستحکم
زباں پر نعرۂ اردو ادب کا ہاتھ میں پرچم

ظرافت ان کی باتوں میں عمل سنجیدہ پر ان کا
جہاں کی دیکھ کر حالت قلم رنجیدہ ہے ان کا

یہ ہیں تنقید کے رہبر یہ ہیں تحقیق کے راہی
یہ ہیں تخلیق میں اعلیٰ ہیں ان کے تبصرے عالی

محبت کی یہ صورت ہیں شرافت کی یہ مورت ہیں
بہت ہمدرد ساتھی ہیں ہر اک دل کی ضرورت ہیں

رہے راہی ادب کی راہ میں ثابت قدم برسوں
چلے افسانچوں کے ساتھ میں یہ دم بہ دم برسوں

اثاثہ پیار کا اپنوں میں غیروں میں لٹاتے ہیں
سبھی کے کام آتے ہیں، سبھی کے دل کو بھاتے ہیں

ہیں صابر یہ ہیں شاکر یہ ہیں مخلص یہ مربی یہ
ہیں عامر یہ ہیں ناصر یہ ہیں ضدی یہ محنتی یہ

یہ ہیں عاجز یہ ہیں عارف یہ ہیں عابد یہ ہیں عاقل
یہ ہیں حاتم یہ ہیں سالک، یہ ہیں راشد، یہ ہیں عامل

متحرک اور باذوق علمی شخصیت

ڈاکٹر مسرت فردوس
(سابق پروفیسر، ڈاکٹر بابا صاحب امبیڈکر مرہٹواڑہ یونیورسٹی اورنگ آباد)
موبائل : 9860903034

اُستاد محترم احمد اقبال' فعال' متحرک اور باذوق علمی شخصیت کے طور پر اپنی شناخت رکھتے ہیں۔ وہ خوش اخلاق' خوش مزاج' خوش طبع ہیں۔ اردو ادب کی درس و تدریس میں ایک عمر صرف کی۔ ان کا مطالعہ وسیع ہے۔ وہ صاف گو اور شریف النفس ہیں۔ ان کی زبان عام فہم اور گفتگو کا انداز دلچسپ ہے۔ ان میں ایک اچھے استاد کی تمام خوبیاں موجود ہیں۔ رہن سہن میں سادگی' مزاج میں انکساری و عاجزی' دھیما لہجہ اور جامع گفتگو ان خوبیوں کے وہ مالک ہیں۔ بہت کم شخصیتیں ہر عمر میں فعال رہتی ہیں۔ احمد اقبال کا شمار ان ہی لوگوں میں ہوتا ہے۔ انھیں قابلیت' محنت اور خلوص کا مجموعہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔

تدریسی سرگرمیوں کے ساتھ تصنیف و تالیف' نصابی کتابوں کی تیاری میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ کئی سالوں سے درسی کتاب ''بال بھارتی'' کے اہم رکن رہے ہیں۔ ان کتابوں کو بہتر سے بہتر' کارآمد' دلچسپ' طلبہ کے لئے مفید بنانے کی حتی الامکان کوشش کرتے ہیں اور اپنی پوری توانائی صرف کرتے ہیں۔ میٹنگوں کے لئے پونا جانا آنا' اردو کے بہترین شہ پاروں کو تلاش کرنا' ہر پہلو سے اُن پر غور و فکر کرنا' دیگر ممبران کے ساتھ باہمی تعاون' خلوص و محبت اُن کی اِن صلاحیتوں کا عکس درسی کتابوں میں موجود ہے۔ وہ تہذیب و شرافت کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ انکساری و بردباری ان کے شریفانہ مزاج کے ضامن ہیں۔

احمد اقبال جیسے لوگ ہی اپنی سماجی' تہذیبی' ادبی و تدریسی ذمہ داری برقرار رکھنے میں کامیاب رہتے ہیں۔ جن خوش نصیب طلباء نے آپ سے تعلیم پائی وہ آج ہندوستان کے مختلف مقامات پر اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں۔ آپ کا شمار ان صاحبِ علم و دانش افراد میں ہوتا ہے کہ جنھوں نے درس و تدریس کے پیشہ سے وابستہ رہتے ہوئے ایک کامیاب قلمکار و ادیب کی حیثیت سے سماج میں اپنا مقام بنایا ہے۔ ان کا علمی انہماک قابل قدر ہے ان کی پوری زندگی جدوجہد سے پُر رہی۔

احمد اقبال اورنگ آباد کے ساکن ہیں انھوں نے مختلف شخصیتوں کو قریب سے جانا اور سمجھا ہے۔ اُن کا مشاہدہ تیز ہے۔ کسی شخص کی ظاہری و پوشیدہ صلاحیتوں' مزاج اور عادت و اطوار کو بخوبی سمجھ جاتے ہیں۔ پھر زبان و بیان پر قدرتِ کاملہ حاصل ہے۔ ''میرا شہر میرے لوگ'' اس کتاب میں دلچسپ خاکے قلمبند کئے ہیں۔ اورنگ آباد کی تاریخ محفوظ ہوگئی ہے۔ اردو دنیا میں اس کتاب نے اپنے وجود کو منوایا ہے۔ اگر کسی ادیب کی شخصیت باوقار اور شفاف ہو تو اُس کی تحریریں بھی اس کی شخصیت کا عکس جمیل ہوتی ہیں۔ ان کی تحریروں میں شدت کی جگہ میانہ روی' ذہنی تعصّبات کے بجائے کشادگی' نکتہ سنجی اور شائستگی صاف طور پر نظر آتی ہے۔ انھوں نے اپنی سادہ، شستہ، رواں دواں طرزِ تحریر سے اس کتاب کو قوتِ تاثیر عطا کی ہے۔ ایک تربیت یافتہ ذہن زندگی کی بنیادی قدروں کی بناء شعر و ادب کی اہمیت و افادیت کو سمجھتا ہے بلکہ فکر و فہم کے چند اصولوں کو نئے

زاریوں سے ہمکنار کرتا ہے۔ اُن کا خلوص' قلمی تعاون' ان کی محبتیں' عنایتیں میرے لئے خوشگوار یادیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اُن کو صحت مند' تندرست و سلامت رکھے۔ نسلوں کی تربیت اور ادب کی خدمت جاری و ساری رہے۔

☆☆☆

اقتباس

''گذشتہ پندرہ دنوں سے اورنگ آباد میں ہوں، کل ۲۹ر نومبر ۲۰۱۱ء کی شام جناب احمد اقبال صاحب سے ملاقات ہوئی۔ کافی دیر تک مختلف مسائل پر باتیں ہوئی کہ ادبی سلسلے کی گفتگو بھی بہت دلچسپ اور معلوماتی رہی۔ چلتے وقت احمد اقبال نے اپنی لکھی ہوئی کتاب 'میرا شہر میرے لوگ' جو مئی ۱۹۹۸ء میں شائع ہوئی تھی بصد خلوص پیش کی۔ رات میں ہی میں نے لگ بھگ پوری کتاب پڑھ ڈالی۔ ان کی تحریر بڑی شگفتہ اور سحر انگیز ہے۔ ۱۸۲ر صفحات کی اس کتاب میں 'یادرفتگاں' کے طور پر بارہ شخصیتوں پر جبکہ ذکر 'ہم نفساں' کے طور پر دس مثالی شخصیتوں پر جس خلوص اور محبت سے انہوں نے روشنی ڈالی ہے اس کی تعریف کیوں کر کی جاسکتی ہے؟ خلوص کا کوئی مول ہوتا ہے۔ ان جملہ بائیس شخصیتوں میں سے آج بیشتر شخصیتیں اپنی گوناگوں صفات کی وجہ سے بظاہر دنیا سے دور جا چکی ہیں لیکن اپنے چاہنے والوں کی یادوں میں زندہ و تابندہ ہیں۔

ملک بزمی

☆☆☆

احمد اقبال، نورالحسنین کے ساتھ

احمد اقبال، انتظار حسین سے گفتگو کرتے ہوئے (۲۰۰۸ء)

احمد اقبال، ڈاکٹر مجاہد حسین حسینی اور یعقوب عثمانی کے ساتھ (۱۹۶۵ء)

(دائیں سے) اسداللہ، احمد اقبال، ڈاکٹر عالی جعفری (سابق صدر شعبۂ اردو، گورنمنٹ کالج اور-آ-د)
عبدالحلیم صدیقی، محمد الیاس احمد خان (۱۹۶۷ء)

احمد اقبال، حسن الدین گلبرگوی کے ہمراہ

احمد اقبال، محمد مجیب اللہ کے ساتھ

احمد اقبال، ڈاکٹر عصمت جاوید کے ساتھ

احمد اقبال، ڈاکٹر ثاقب انور کے ساتھ (۱۹۷۰ء)

شاعری

یاسین انصاری

مختصر تعارف

☆نام : محمد یاسین انصاری
☆قلمی نام : یاسین انصاری
☆تاریخِ پیدائش : ۲۷رمئی ۱۹۷۷ء
☆جائے پیدائش :اٹاوہ (یوپی)
☆تعلیمی لیاقت:ایم۔اے(اردو و انگریزی)
☆پیشہ : درس وتدریس
☆ادبی سرگرمیاں:مختلف اخبارات،رسائل وجرائدمیں کلام کی اشاعت،مشاعروں،ادبی محفلوں میں شرکت
☆اعزازات : مختلف ادبی اور سماجی تنظیموں سے باوقاراعزازات
☆شعری مجموعہ : زیرترتیب
پتہ : کرن پورہ،باہاڈا،اٹاوہ 206001 (یوپی)
موبائل : 9690433139

منتخب کلام

(غزلیں)

☆

محبتوں کی جو دولت لٹایا کرتے ہیں
انھیں کو لوگ دلوں میں بسایا کرتے ہیں

گھرے ہوئے ہیں مسائل میں اہل دل تو کیا
گلاب کانٹوں میں بھی مسکرایا کرتے ہیں

نصیب ہوتی ہیں ان کو بلندیاں اک دن
جو ان کو پانے کے رستے بنایا کرتے ہیں

جو ہار کر بھی نہیں ہاریں حوصلہ اپنا
وہ لوگ ہار کے بھی جیت جایا کرتے ہیں

کبھی بھی بھول کے احسان ان کا مت لینا
جو بات بات میں احساں جتایا کرتے ہیں

سلام کیجئے یاسینؔ ان کی ہمت کو
غموں کا بوجھ جو ہنس کر اٹھایا کرتے ہیں

☆

دور ذہنوں سے تیرگی کی ہے
ہم نے دنیا میں روشنی کی ہے

کامیابی نصیب اس کو ہوئی
جس نے محنت بہت کڑی کی ہے

ساتھ سچ کا کبھی دیا ہی نہیں
جھوٹ کی تم نے پیروی کی ہے

راستے میں بھٹک رہے ہیں ہم
تم نے کیسی یہ رہبری کی ہے

ہو مہذب سماج کی تشکیل
ذمے داری یہ ہم سبھی کی ہے

کس لئے ظلم سہتے ہو چپ چاپ
یہ علامت تو بزدلی کی ہے

روز لکھا ہے ہم نے کچھ یاسینؔ
کام کی طرح شاعری کی ہے

☆

ظالموں ، قاتلوں کی مذمت کرو
جو ہیں مظلوم ان کی حمایت کرو

ظلم سہنے سے حاصل نہیں ہوگا کچھ
حق کی خاطر اٹھو اور بغاوت کرو

پتھروں کی نظر سے بچاؤ انھیں
اس طرح آئینوں کی حفاظت کرو

کس لئے زندگانی سے بیزار ہو
زندگانی سے اپنی محبت کرو

کامیابی تمھارے قدم چومے گی
شرط یہ ہے مگر خوب محنت کرو

لوگ عزت بزرگوں کی کرتے نہیں
تم بڑوں کی مگر اپنے عزت کرو

دیکھو یاسینؔ اچھی بخیلی نہیں
پاس دولت ہے تو خرچ دولت کرو

☆

زندگی کی طرح زندگی ہے کہاں
لوگ اندھیرے میں ہیں روشنی ہے کہاں

پھول امّید و ارماں کے مرجھا گئے
خوشبوئیں اب کہاں ، تازگی اب کہاں

سب کی آنکھوں میں آنسو سرِ بزم ہیں
ڈھونڈتا ہوں خوشی کو خوشی ہے کہاں

دشمنی کا ، کدورت کا یہ دور ہے
آج کے دور میں دوستی ہے کہاں

روز چہرے بدلتا ہے اب آدمی
قابلِ اعتبار آدمی ہے کہاں

ڈھیر پر جو ہیں دولت کے بیٹھے ہوئے
ان کو آتی نظر مفلسی ہے کہاں

جس کو یاسینؔ کہتے ہیں انسانیت
اب زمانے میں وہ شئے بچی ہے کہاں

☆☆☆

غزلیں

ماجد علی کاوش (جئے پور)
موبائل : 9990684195

دل وفا پیار بے تکی باتیں
سر پھرے لوگ سرپھری باتیں
آپ تک کیسے جا پہنچتی ہیں
میرے ہونٹوں کی ان کہی باتیں
ہم بھی تبدیلیاں قبول کریں
ہورہی ہیں نئی نئی باتیں
کتنا چھوٹا بنا رہی ہیں تمھیں
یہ تمہاری بڑی بڑی باتیں
کتنی مدّت کے بعد آئے ہو
لائے ہو یہ جلی کٹی باتیں
مصلحت کیا دبی زبان سے کیوں
حق و انصاف کی کھری باتیں
کتنی یادوں سے جوڑ دیتی ہیں
ڈائری میں لکھی ہوئی باتیں

☆☆☆

شفیع احمد شفیع
(پربھنی)
موبائل :
7972462122

اشک آنکھوں سے ٹپکتے ہیں شرارے جیسے
اُن کے حالات بھی لگتے ہیں ہمارے جیسے
جگمگاتے ہیں دھنک رنگ اجالے گھر میں
اُن کو پریوں کے حنا دست سنوارے جیسے
اُن کی یادوں کا نمک زخم پہ چھڑکے جو ہوا
پھر تو دن ہم نے بہاروں میں گزارے جیسے
پرچمِ ہند کا وہ خواب کبھی سچ بھی ہو
لوگ آزاد فضا میں ہوں غبارے جیسے
تشنگی اور بڑھی دل کی جو دیکھا میں نے
رس بھرے ہونٹ ترے دریا کنارے جیسے
کالے بادل کے جو ٹکڑے ہیں فلک پر پھیلے
اُن کی ہنس ہنس کے نظر حور اُتارے جیسے
ایسے آئے وہ تصور میں اکیلے احمدؔ
ہجر کے مارے چلے غم کے سہارے جیسے

☆☆☆

سیفی اعظمی سیفؔ
(پربھنی)
موبائل :
9763176186

کوہِ انا غرور نہ ایواں کی شان کا
''قد ناپنا ہے مجھ کو ابھی آسمان کا''
مسندنشیں جو ہوگئے قاتل دغا کے بل
چہرہ لگے ہے بدنما ہندوستان کا
رحمت خدا کی بیکراں خلقت حضورؐ کی
ہوجائے عشق ہم کو بھی اُن کے گمان کا
حق آئے گا مٹے گا وہ باطل تو ایک دن
قرآں کا ہے بیان مبارک زبان کا
ہو باطنی و ظاہری روزہ تو ہے مزہ
گزرے گا وقت سہل تو پھر امتحان کا
مسلم کی دشمنی پہ سیاست چلاتے گر
کرتے ہیں کاروبار سیاسی دکان کا
کرتے ہیں جشن جامِ شہادت کے شوق میں
کیا حوصلہ ہے سیفؔ فلسطیں جوان کا

☆☆☆

راہی جنتوری
(جنتور)
موبائل : 9890851655

ایسا نہیں ہے اُن سے کہ رشتے نہیں رہے
لیکن خلوص و پیار میں ویسے نہیں رہے
نوٹوں کے بدلے لیتے نہیں پوتے چاکلیٹ
بچے ہمارے دور کے بچے نہیں رہے
شک سے جلن سے بغض حقارت سے دیکھتے
آنکھوں پہ اُن کی پہلے سے چشمے نہیں رہے
مجھ سے بچھڑ کے ٹوٹا ہے اُس کا غرور بھی
ہونٹوں پہ جو حسین کے نغمے نہیں رہے
راہیؔ نے جن کو چاہا ، دل و جان سے سدا
افسوس آج وہ بھی تو اپنے نہیں رہے

شیخ فیصل
عجب نگر، اورنگ آباد
موبائل : 9139488002

☆

ہے عشق مگر اِن سے بتایا نہیں جاتا
اور لاکھ چھپایا تو چھپایا نہیں جاتا
الفت کی سزا جو بھی ہے منظور ہے ہم کو
شکوہ زباں پہ کوئی بھی لایا نہیں جاتا
دل میں وہ آکے آج ایسے بس گئے میرے
چاہا بھلانا لاکھ بھلایا نہیں جاتا
مجھ کو نہیں پسند صنم کاروبار عشق
اس میں جو ہوگیا وہ خسارہ نہیں جاتا
احسان کر کے دوستوں پہ بھول جاتا ہوں
یہ رشتہ ہی ایسا ہے جتایا نہیں جاتا
تقدیر سے ملتی ہے یہ شہرت سنو فیصلؔ
مل جاتا ہے مقام دلایا نہیں جاتا

افسانے

ڈاکٹر عظیم راہی (اورنگ آباد)
موبائل : 9370992203

المیہ

تمھیں مرے ہوئے ابا ایک عرصہ گزر چکا ہے لیکن آج بھی مجھے ہر پل ایسا لگتا ہے جیسے تم میرے ساتھ ہو نہیں، جیسے تم میرے اندر زندہ ہو۔ شاید اسی لئے تمہاری وہ سب روایتیں' وہ سارے اصول اور وہ تمام خواب مجھے آج بھی ایسے ہی عزیز ہیں۔

لیکن اب برسوں بعد، میری حیات ہی میں، میں دیکھ رہا ہوں کہ ___

میرے اپنے بیٹے نے میرے تمام اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر' میری ان سب روایتوں سے منہ موڑ لیا ہے اور میرے سارے خوابوں پر پانی پھیر کر جانے وہ کس راہ پر چل پڑا ہے کہ مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں جیتے جی مر گیا ہوں۔

☆☆☆

شکر گذار

ندیم مرزا (بیڑ)
موبائل : 7744014147

طویل وقفہ بعد بیٹے کا میسج آیا

پپا آپ کیسے ہیں.....؟

میں نے جواب دیا :

''رب تعالی کا فضل وکرم، خوش حال ہوں.....!''

میں نے اپنے دل میں کہا :

''باپ اور بیٹے کے درمیان رشتہ کی استقامت کے لئے موبائل ..... تیرا شکریہ.....!''

☆☆☆

ارشد صدیقی (بیڑ)
موبائل : 8999434891

چھٹکارا

میاں بیوی میں ذرا ذرا سی بات پر جھگڑا روز کا معمول بن گیا تھا۔ اس کے باوجود وہ اسے برسوں سے برداشت کر رہا تھا اور صبر کر رہا تھا اس امید پر کہ حالات سازگار ہو جائیں گے مگر ایسا نہ ہو سکا۔ آج اس کی بیوی نے کچھ ایسا کہہ دیا جو وہ برداشت نہیں کر سکا اور آخر اس نے غصہ میں چیخ کر اپنی بیوی سے کہہ دیا :

طلاق ___ طلاق ___ طلاق ___

☆☆☆

اور سُنبل سو گئی!

اختر صادق (ناندیڑ)
موبائل :
9673407199

''روز کی طرح دستک ہوئی، زنجیر کے ہلنے کی آواز بھی آئی اور ہواؤں نے ان کی آمد کی خبر بھی نہیں چھپائی۔'' وہ منہ ہی منہ میں ایسے بڑبڑا رہی تھی، جیسے کسی کو کچھ سنا رہی ہو!

''نہیں...! پہلے وہ اپنی ساری خوشیاں اور سوغاتیں اس کے اپنوں میں لٹائے گا۔''

''اسس'' (درد کے مارے وہ کراہ اٹھی تھی)

''کیا ہوا صابرہ؟''

''اوہ! میں بھی کتنی پاگل! اپنے وجود سے باہر نکل آئی ..... میری تنہائیاں بھی مجھ سے باتیں کرنے لگی ہیں... آجکل ! ...ہاہا ! ....ہا !!''

''اری او، تو رفیقہ ناں ... میرے بچپن کی سہیلی...؟؟ لیکن تو ہیولا سی کیوں لگ رہی ہے؟ لیکن، تب بھی تو میں اکیلی ہی تو تھی۔ میرا بابا مزدور تھا نا....!''

''خیر! چل ذرا پیٹھ پر ہلدی تو لگا دے۔''

''نہیں، رہنے دے . وہ پھر آئے گا، بھولی صورت بنا کر اور میری پیٹھ پر لادے گا، سمیٹی ہوئی' سوغاتیں' سب کی۔''

''صابرہ، صبر کر بوڑھے والدین کی لاج رکھ لے۔''

صابرہ کو دور سے ایک نحیف آواز سنائی دی۔

پھر صابرہ کو سچ مچ صبر آ گیا۔

☆☆☆

بھوک

ڈاکٹر نخشب مسعود
(مالیگاؤں۔ناسک)
موبائل : 9372012930

آج مدتوں بعد ہمارے گھر
میں چولہے میں آگ اور دیئے میں روشنی ہوگی۔
روٹی ہنستا چاند نظر آئے گی۔
بھوک کے سوکھے پتے جھڑ کر گریں گے۔
کیونکہ
شہر میں ماتمی لہروں کا پرزور تلاطم ہے اور لاشیں ڈھونے والے ہمارے سوا کون ہیں؟
تاڑی کا تلخ گھونٹ حلق سے نیچے اتارتے ہوئے منگرو نے فخر وسے کہا۔

☆☆☆

بیگانی شادی میں

ڈاکٹر شہاب افسر خان
(اورنگ آباد)
موبائل : 7387031778

شادیوں کا سیزن ہے اور دھڑلے سے شادیاں ہورہی ہیں۔ گذشتہ اتوار کو جامع مسجد میں دس شادیاں تھیں اور بعد عصر ان دس شادیوں کے عقد چار مولویوں نے پڑھائے۔ ہر عقد سے پہلے بیان بھی ہوا۔ کیا بیان ہوا۔ وہاں قریب میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو بھی سنائی نہیں دیا کیونکہ ہجوم اتنا تھا کہ اللہ کی پناہ۔ خطبہ نکاح کے ختم ہونے کے بعد لوگوں نے دولہے کی جانب گلے ملنے ہوڑ لگائی۔ چند لوگ مجھ سے بھی گلے ملے جنھیں میں جانتا بھی نہیں تھا۔ گلے ملتے وقت ''مبارک'' بڑی گرمجوشی سے کہا۔

میرے قریب کھڑے میرے دوست نے پوچھا: ''یہ لوگ کون تھے۔ شاید آپ کو پہچانتے ہوں گے۔'' میں نے نفی میں سر ہلایا تو لوگوں نے مجھے پیچھے سے دکھا دے کر دولہے کے سامنے کردیا۔ میں اس دولہے کے گلے ملا جسے میں جانتا نہیں تھا۔ بعد میں پتہ چلا کہ ہم غلط عقد میں شریک تھے۔ ہم جس عقد کے لئے آئے تھے وہ تو مغرب کے بعد ہونے والا تھا۔

☆☆☆

غیرت

ڈاکٹر رقیہ جمال (اڑیسہ)
موبائل : 9937567417

''وقار بیٹے! تم سے کتنی بار کہا ہے کہ ارشد سے دوستی مت کرو۔ بڑی بدزبانی کرتا ہے۔ اوپر سے دیکھو تمھیں کیسا زخمی کردیا ہے۔''

وقار اور ارشد ایک ہی محلے میں رہتے تھے۔ دونوں کی عمر تقریباً گیارہ بارہ سال کی ہوگی۔ آج کرکٹ کھیلتے ہوئے ارشد نے وقار کو بری طرح پیٹ ڈالا تھا۔

''پر ممی وہ میرا بیسٹ فرینڈ ہے۔ کبھی کبھی غصے میں آجاتا ہے تو کچھ کہہ دیتا ہے یا مجھے مارتا ہے۔''

''بیٹا تمہارے اندر غیرت نام کی کوئی چیز ہے کہ نہیں۔ وہ تمہارا بیسٹ فرینڈ کیسے ہوگیا؟ کب سمجھو گے، چھوڑ کیوں نہیں دیتے اس کا ساتھ؟''

''تو ممی آپ کب سمجھیں گی؟ کب تک پاپا کی گالیاں سنتی رہیں گی اور مار کھاتی رہیں گی؟''

☆☆☆

بغیر کتب کے

ڈاکٹر غزالہ پروین
(شعبۂ اردو ڈاکٹر رفیق زکریا کالج فار ویمن اورنگ آباد)

عالیہ کے نئے گھر کی تقریب میں شاکرہ کے ساتھ اس کی بہت سی سہیلیاں بھی مدعو تھیں۔

عالیہ کے اس عالیشان گھر کو دیکھ کر سبھی انگشت بدنداں تھے اور کیوں نہ ہوں۔ اس کے شوہر نے گھر ہی اتنا خوبصورت بنوایا تھا۔ جسے دیکھ کر ہر آنے والا عش عش کررہا تھا۔ گھر کی خوبصورتی، آرائش وزیبائش کو لے کر سبھی رطب اللسان تھے۔

عالیہ کی ایک سہیلی صالحہ نے خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا: ''میں نے اپنی زندگی میں اتنا عالیشان مکان آج تک نہیں دیکھا۔''

کتابوں میں سدا غرق رہنے والی شاکرہ کی نظریں ان سب خوبصورت اشیاء اور سجاوٹ سے پرے اس نئے گھر میں کچھ اور ہی تلاش کررہی تھیں۔

شاکرہ نے بھی اپنی آواز ان مداحوں میں ملائی: ''واقعی! یہ بہت آرام دہ مکان ہے اور اس میں دنیا و جہان کی تمام خوبصورت اشیاء موجود ہیں۔ لیکن میرے نزدیک کتابوں سے خالی یہ گھر، گھر تو ہوسکتا ہے لیکن خوبصورت اور عالیشان نہیں۔''

☆☆☆

غزل

اظہر فاروقی اظہر
(پربھنی)
موبائل :
9860704976

ساتھ جب چھوڑ دیا تم نے غزالوں کی طرح
زندگی پھر تو بنی مکڑی کے جالوں کی طرح

ٹوٹ جائیں گے مگر ہم نہ جھکیں گے ہرگز
ظلم وہ لاکھ کریں ہم پہ مثالوں کی طرح

ہنستے ہنستے جو ہٹا چہرے سے پردہ ان کے
اشک آنکھوں میں لگے سرخ سے گالوں کی طرح

یار تو یار ہیں دشمن کو بھی ہم نے ہنس کر
اپنے سینے سے لگایا ہے مثالوں کی طرح

کون اپنوں کے سوا دے گا بھلا ہم کو دغا
پھر بھی ہم اُن کے لئے جیتے اجالوں کی طرح

اپنی قسمت میں کہاں حُسن کی دولت اظہر
اپنی تقدیر نہ خوش بخت جمالوں کی طرح

☆☆☆

تحریر: ندیم مرزا (بیڑ)
موبائل : 7744014147

(۱)

حمید سہروردی

کتابی صورت، نہ گوری نہ سانولی درمیانہ رنگت، تجسس سے بھرپور آنکھیں، لبوں پر کھیلتی مسکراہٹ، آواز میں ہلکی سی سختی مگر دل رقیق القلب، روحانیت سے معمور سلسلۂ سہروردیہ سے نسبت، طبیعت کی طرح قلم بھی جدت پسند علامتی تجریدی اسلوب کے استاد، افسانہ نگاری اور شاعری محبوب مشغلہ، جدید استعارات کے انتخاب میں کمال کی مہارت، کئی کتابوں کے مصنف، درس و تدریس پیشہ ہے، کالج میں صدر شعبۂ اردو کا فریضہ انجام دینے والے پھول کی پنکھڑی گلبرگہ وطن، عالم گیر شہرت کے حامل اردو زبان و ادب کی خدمت دیوانگی کی حد تک، راہ چلتے اگر کوئی سوال کرے ۔

گھڑی میں کیا بجا ہے
پہچان لیجئے یہی ہے حمید سہروردی

☆☆☆

(۲)

راشد سلیم

اونچا قد، ستواں ناک، خوبصورت بیضوی چہرا، چمکدار کشادہ پیشانی، عربی النسل ہونے کی نشانی، خوبیوں کا بھنڈار تھا، دشمن کے لیئے تیغ آبدار تھا، قوم و ملت کے لیئے وفادار تھا، قوم و ملت کا سودا کرنے والی، ابن الوقت اور ملت کے دشمنوں کی پا بوسی کرنے والی قیادت کے لیئے دشمن نمبر ایک تھا، جب تک جیا شیر کی زندگی جیا . ان تمام خوبیوں کے باوجود آدمی تھا چند بری لتوں کا شکار تھا، بس دشمنوں کے پاس یہی ہتھیار تھا، کردار کشی کی گئی، بدنام کیا گیا، حمام کے ننگے یک جا ہوئے اور ایک طاقتور قیادت کی سیاسی زندگی کا خاتمہ ہوا، غلام محمود بنات والا اور مسلم لیگ کا شیر جس نے دشمنوں کے بیچ با وقار زندگی گذاری تھی زندگی کے آخری ایام خموشی میں گذارے شہر خموشان میں ابدی نیند سوگیا . جن کے لیے امور خیر انجام دیئے ان کے دلوں مین آج بھی اس کی یادین باقی ہیں یہ کوئی غیر نہیں اپنا تھا . نام تھا .....راشد سلیم.....!!

☆☆☆

(۳)

کامریڈ اطہر بابر

کتابی صورت، گوری رنگت، منتشر خیالات کی طرح بکھرے بال، کشادہ پیشانی، چمکتی آنکھیں، تبسم ریز ہونٹ، عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد سے فارغ، علم کی دولت سے مالا مال، دوران تعلیم سے ہی پس ماندہ طبقات اور مزدود پیشہ افراد کا حامی، آخری سانس تک جدوجہد جاری، نہ شاعر تھا نہ مصنف اور نہ ادیب. لیکن اردو دوست تھا، شہر بیڑ کی مجلس بلدیہ کے ماتھے پر " مجلس بلدیہ بیڑ" کا بورڈ اسی کی ہمت اور حوصلہ کی پہچان تھا۔ صدر مجلس بلدیہ کی کرسی پر براجمان ہوا تو اردو داں کو اردو لائبریری کا تحفہ دیا، سماج کے ہر طبقہ سے یارانہ تھا، انسان تھا انسان بن کر جیا . دنیا سے جب رخصت ہوا، لب سڑک سبزی فروش ہندو خاتون نے گریہ وزاری کرتے ہوئے کہا: ''آج میں یتیم ہوگئی، ہائے یتیم ہوگئی۔''

خوش نصیب تھا، سلسلۂ سعدیہ، غوثیہ، کمالیہ، عالیہ سے وابستہ پیر طریقت حضرت پیر محوی شاہ قادری رحمت اللہ علیہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

یہ کوئی اور نہ تھا، سماجی نابرابری کے ظلم کا شکار لوگوں، مزدوروں اور کاشت کار کسانوں کا دوست تھا.

مجلس بلدیہ بیڑ سے متصل عمارت ''اطہر بابر کامپلیکس'' اس کی یاد دلاتی ہے دنیا آج بھی اسے ''کامریڈ اطہر بابر'' کے نام سے یاد کرتی ہے۔

☆☆☆

(۴)

مرزا رحمت اللہ بیگ

کتابی صورت، بادامی رنگت، چہرے پہ سفید گھنی داڑھی، اللہ کی رحمتوں کی نشانی، آدمی جب بوڑھا ہوجاتا ہے تو موسوی سنت اختیار کرتا ہے، ہاتھ میں عصا، عمر رفتہ کی کہانی، زندگی کے ریگزار کا تنہا مسافر، مقدر جس کے پیچھے، پیچھے مگر وہ آگے، آگے۔ باپ کی بے پناہ محبتوں کی مثال، ماں، بھائی اور بہن کی امید۔ طوفانوں سے لڑنے والا اوروں کے لیے جینے والا۔ یہ ہیں میرے بڑے بھائی، رحمت سراپا ''مرزا رحمت اللہ بیگ''

☆☆☆

جو دوسروں پہ صرف کردے اپنی زندگی
دنیا میں وہی بوند بنے بوند سے موتی
ڈاکٹر یوسف صابر

تبصرے

کتاب : بازیافت (تحقیقی وتنقیدی مضامین)

مصنفہ : ڈاکٹر غزالہ پروین
اشاعت : اکتوبر 2023ء
قیمت : 350 روپئے
مبصر: ڈاکٹر یوسف صابر 9326772575

لائٹ براؤن کلر کے دبیز و دلکش، ۲۴۰ صفحات پر مشتمل مضبوط بائنڈنگ کی کتاب باز یافت ڈاکٹر غزالہ پروین کے تحریر کردہ (۲۰) تحقیقی وتنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے۔ مضامین کے عنوانات اس طرح ہیں :

☆ نشاۃ الثانیہ کا محرک :ابنِ رشد
☆ نوبل لاریٹ : نجیب محفوظ
☆ مہاتما گاندھی کے مداح : احمد شوقی
☆ لبنان کا ایک آشفتہ سر ادیب : خلیل جبران
☆ معتوب مسیحا : جمیل صدیقی زہادی
☆ محسن قوم : ڈاکٹر رفیق زکریا
☆ مورخ اسلام : قاضی اطہر مبارکپور
☆ رومانویت کا علمبردار : خلیل مطران
☆ ہجری عربی ادب کا دردمند شاعر : ایلیاء بوماضی
☆ فلسطین کی نوحہ گر : فدوی طوفان
☆ عربی ادب میں تانیثیت کی بازگشت: باچشتہ البادیہ
☆ نوائے نا آفریدہ : پروین شاکر رسارہ شگفتہ
☆ آزاد عربی شاعری کی پیش رو : نازک ملائکہ
☆ ایران کی ایک سرکش آواز : فرّوغ فرّخ زاد
☆ سفیر علم : عبدالستار دلوی
☆ خواب رو : بشر نواز
☆ فکرِ جمہور کا امین : ارتکاز افضل
☆ رومانیت کا راوی : شہاب افسر
☆ سفیرۂ ملت : سیما شکور
☆ مبادیات تنقید (عربی ادب کے حوالے سے)

حرف آغاز کے تحت ڈاکٹر غزالہ پروین نے اس کتاب کی ابتداء یوں کی ہے :

''زیر نظر کتاب ''بازیافت'' میرے تنقیدی و تحقیقی مضامین کا مجموعہ ہے۔ ان میں سے بعض مضامین مختلف رسائل و جرائد میں چھپ چکے ہیں اور بعض وہ جو سیمیناروں میں پڑھے گئے ہیں۔ اس کتاب کے عنوان ''بازیافت'' کی تشریح بھی کرتی چلوں۔ دراصل ان مضامین میں اکثر ایسے ہیں جو عربی زبان و ادب کا احاطہ کرتے ہیں۔''

ڈاکٹر غزالہ پروین کا عربی زبان وادب سے زیادہ تعلق رہا ہے اس کتاب میں تحریر کردہ اکثر مضامین عربی زبان و ادب کے قلم کاروں کے متعلق ہیں اس لئے اس کتاب میں عام قاری کے لئے نئی اور نہایت اہم معلومات دستیاب ہیں، اس کے علاوہ اردو زبان و ادب کے نامور مرد و خواتین قلم کاروں پر بھی ڈاکٹر غزالہ نے نہایت عمدہ مضامین اس کتاب میں شامل کئے ہیں۔ اس کتاب کے پیش لفظ پروفیسر ارتکاز افضل نے تحریر کئے ہیں جب کہ بعنوان بازیافت کی بازیافت پروفیسر عتیق اللہ اور بعنوان بازگشتِ بازیافت محمد اظہار قاسمی کے ایسے مضامین ہیں جو ڈاکٹر غزالہ پروین کی شخصیت وفن پر روشنی ڈالتے ہیں۔

بازیافت کا سرمایہ اردو ادب کے لئے ایک قیمتی ذخیرہ ہے، امید ہے کہ اسے اردو ادب میں بلند مقام حاصل ہوگا اور اس کا مطالعہ اذہان کو روشنی و وسعت بخشے گا۔

☆☆☆

کتاب : برمحل اشعار/ زبان زد اشعار اور ان کے مآخذ (تحقیق)

محقق: خلیق الزماں نصرتؔ (9923257606)
اشاعت : ۲۰۲۴ء قیمت : ۵۰۰/روپئے
مبصر : ڈاکٹر یوسف صابرؔ (9326772575)

مضبوط بائنڈنگ و دلکش کور پیج سے سجی سنوری یہ کتاب برمحل اشعار/ زبان زد اشعار اور ان کے مآخذ کی دوسری جلد ہے۔ پہلی جلد کی بے انتہا پذیرائی ہوئی۔ اس کامیابی اور مقبولیت نے ہی ۳۶۶ نفیس کاغذ پر مشتمل دوسری جلد کو منظر عام پر لانے میں سب سے اہم رول ادا کیا ہے۔ یہ دو جلدیں ان کی برسوں کی محنت کا ثمرہ ہے۔ اس کتاب میں شامل شعراء کے نام حروف تہجی کے حساب سے ترتیب دے کر لکھے گئے ہیں۔ اسی طرح اشعار بھی حروف تہجی کے حساب سے ترتیب میں تحریر کئے گئے ہیں۔ اس کتاب کے بارے میں پروفیسر سید مجاور حسین رضوی، ندا فاضلی، حقانی القاسمی، اسلم مرزا اور مشتاق سمشی کے مختلف عنوانات کے ساتھ ابتداء میں آراء شامل ہیں۔ اس کے بعد خلیق الزماں نصرتؔ کا 'شناس نامہ' ہے جس سے علم ہوتا ہے کہ خلیق الزماں نصرتؔ کی ۳۰ کتابیں نہایت اہم موضوعات پر منظر عام پر آچکی ہیں اور گیارہ زیر طبع ہیں۔ اس کے بعد مختلف عنوانات کے تحت ڈاکٹر منصور خوشتر، ایم مبین اور غنی غازی کے خلیق الزماں کی حیات، شخصیت اور فن پر مختصر مضامین شامل ہیں۔ اس کے بعد کتاب کا اصل مواد تحقیق کی صورت میں شعراء کے حالات اور ان کے اشعار ہیں۔ خلیق الزماں نصرتؔ نے (۳۷۵) سے زائد شعراء کے اشعار اس کتاب میں شامل کئے ہیں۔ اس کے بعد ''کیا کہتے ہیں علم و ادب کے شیدائی'' کے تحت احتشام احمد قادری کا ترتیب کردہ مضمون ہے۔ جس میں متعدد قلمکاروں کے مختصراً تاثرات ہیں اور آخر میں 'برمحل اشعار' جلد اوّل کی فہرست بھی شامل ہے۔ یقین ہے کہ اس کتاب کو بھی پہلی جلد کی طرح بے انتہا مقبولیت حاصل ہوگی۔ ☆

اخبار عکس ادب و خلوص عکس ادب

خط

جناب ڈاکٹر یوسف صابر صاحب ایڈیٹر سہ ماہی عکس ادب اورنگ آباد السلام علیکم۔ امید ہے کہ آپ بعافیت ہونگے۔ آج ہی آپ کا روانہ کردہ پارسل دستیاب ہوا۔ دیکھ کر بے حد مسرت ہوئی۔ عکس ادب کا سرورق نہایت خوب صورت و دیدہ زیب ہے۔ آپ کا بے باک اداریہ بھی بے حد خوبصورت و دلچسپ ہے۔ شفیع احمد شفیع کی توشیحی نعت بھی دل کو چھو لینے والی ہے۔ اسلم مرزا کا دکنی شاعری میں تصور محبوب، محمد یوسف کا سوانح نگاری، ڈاکٹر دلال عظمت انور کا پروفیسر بیگ احساس بحیثیت افسانہ نگار، ڈاکٹر ایم ایم شیخ کامران اور تخلیق انسانی، ڈاکٹر فاطمہ کامران گورکھپوری بحیثیت رباعی گو، ڈاکٹر یوسف صابر کا سنتے ہیں' کہ راہی کا ہے یہ طرز بیاں اور کے مضامین مواد اور معلومات سے بھر پور ہیں۔ کے انیس اظہر، طٰہٰ صدیقی، یاسین انصاری، الطاف اقبال، اختر خان، بشر نواز، طرفہ قریشی کی غزلیں کافی خوبصورت و دلچسپ ہیں۔ شاہ حسین نہری، طاہر حسین طاہر، کے انیس اظہر کی رباعیات پسند آئیں۔ محمود صدیقی، وجاہت قریشی کے افسانے بھی کافی خوبصورت و دلچسپ ہیں پسند آے۔ ڈاکٹر نخشب مسعود، ڈاکٹر عظیم راہی، عبدالطیف جوہر، ندیم مرزا کے افسانچے بھی پسند آئے۔ ندیم مرزا کے خاکے بھی کافی خوبصورت و دلچسپ ہیں۔ گوشہ شعراء مراٹھواڑہ مواد و معلومات سے بھر پور ہے۔ آپ کے تبصروں کا کیا کہنا ماشاء اللہ۔ گو کہ آپ عکس ادب کو رنگا رنگ مضامین و غزلیات سے سجاتے اور سنوارتے ہیں اس سے آپ کی مدیرانہ صلاحیتوں کا پتہ چلتا ہے۔ کہ آپ میں مدیرانہ صلاحیتیں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ یہ آپ کی محنت و لگن کا نتیجہ ہے کہ عکس ادب دن دوگنی رات چوگنی ترقی کی جانب گامزن ہے۔ اللہ اسے نظر بد سے بچائے اور آپ کو اسے خوب سے خوب تر بنانے کی ہمت و حوصلہ عطا فرمائے۔ اور آپ اسی طرح اردو زبان و ادب کی خدمت کرتے رہیں۔ میری جانب سے آپ کو بہت بہت دلی مبارکباد اور مستقبل کے لیے نیک خواہشات۔ افسانچے کے شمارہ کا کیا ہوا مطلع کریں۔ جواب کا منتظر ہوں۔ باقی سب حسب حال۔

خیر اندیش : ارشد صدیقی بیڑ

مورخہ 16.9.2024 بروز۔ منگل

خبر

پربھنی میں ماجولالہ کے جشن سالگرہ پر کامیاب مشاعرہ

پربھنی ۔ ۲۶/ اگست بروز پیر شب ۹/ بجے بمقام پاڈیلا فنکشن ہال پربھنی میں سید سمیع عرف ماجولالہ سابق ڈپٹی میئر کے جشن سالگرہ کے موقع پر ایک عظیم الشان مشاعرے کا انعقاد کیا گیا جس کی مسند صدارت پر ڈاکٹر یوسف صابر مدیر سہ ماہی 'عکس ادب' اورنگ آباد جلوہ افروز تھے۔ مشاعرہ میں باذوق سامعین نے کثیر تعداد میں شرکت کی نظامت کے فرائض ارشاد ضیاء نے بحسن و خوبی انجام دیئے جن شعراء نے سامعین کو اپنے کلام سے محظوظ فرمایا۔ ان میں ڈاکٹر یوسف صابر، شفیع احمد شفیع، جمیل ساحر مالیگاؤں، عطا حیدرآباد، سندر مالیگانوی، عبدالواحد جاذب، صابر بسمتوی، حبیب ہاشمی، طٰہٰ صدیقی، سیفی اعظم سیف، انصاری جاوید، راہی جنتوری، محمد کیفی، معاویہ عبدالکلام، امام الدین کے نام شامل ہیں۔ مشاعرہ کو کامیابی سے ہمکنار کرنے میں کنوینر مشاعرہ عبدالواحد جاذب نگراں عبدالعلیم صوفی، اطہر چاؤش، شیخ سلیم، انور پھولاری، محمد اصرار واحباب نے کافی محنت کی۔ رات دیر گئے جوائنٹ کنوینر عبدالواحد جاذب کے اظہار تشکر پر اس عظیم الشان مشاعرہ کا اختتام عمل میں آیا۔

تبصرہ

کتاب : ادبی سلطنت کا وارث۔ سلطان اختر۔ حیات اور ادبی سفر۔ اشاعت : ۲۰۲۴ء

مصنف : شیخ عبدالرحیم محی الدین غلام ثاقب

مبصر : ڈاکٹر مبین نذیر (مالیگاؤں)

غلام ثاقب کی عمدہ غزل سے کتاب کی ابتدا ہوئی ہے اس کے بعد سلطان اختر کی ادبی خدمات کے حوالے سے مختلف مضامین شامل اشاعت ہیں تمام مضامین میں سلطان اختر کی اردو زبان و ادب اور اردو کے ادباء و شعرا کے تئیں جنون کی نشاندہی کی گئی ہے آج کی اس مصروف زندگی اور خود غرض معاشرے میں ایسے افراد کمیاب ہیں جو ان خوبیوں سے مالا مال ہیں نہ ستائش کی تمنا اور نا صلے کی پرواہ سلطان اختر کا کام ہی ان کی شناخت کا وسیلہ ہے کتاب سے کانفرنس تک اور استقبال سے ایوارڈ تک کئی شعبے میں جن میں سلطان اختر متحرک اور فعال ہیں خدا کرے ان کا یہ جنون اسی طرح قائم رہے۔ جس طرح شعرائے کرام بادشاہوں کی شان میں قصیدے کہا کرتے تھے اسی طرح دور جدید کے سلطان کی شان میں غلام ثاقب نے نثری قصائد رقم کیے ہیں جو اس کتاب میں شامل ہیں ان میں سلطان اختر کی ادبی خدمات شخصیت اور ذوق و شوق کے علاوہ غلام ثاقب کی ان سے عقیدت و محبت کا عنصر شامل ہے غلام ثاقب کے جذبات کی ہم قدر کرتے ہیں لیکن شدت جذبات کی وجہ سے زبان و بیان کے حوالے سے ان کے قلم میں کچھ لرزش دکھائی دیتی ہے جو تھوڑی توجہ سے دور کی جا سکتی ہے ثاقب کے پاس مشاہدہ تجربہ ذخیرہ الفاظ اور جذبات سب کچھ ہیں بس انہیں کفایت شعاری سے الفاظ خرچ کرنے کے فن کو سیکھنا ہوگا۔ سلطان اختر کے منتخب افسانچے بھی کتاب میں شامل ہیں جو اردو سے ان کی محبت کو ظاہر کرتے ہیں ان افسانچوں کو فن کی کسوٹی پر پرکھنے کی ذمہ داری ہم ناقدین افسانچہ کے سپرد کرتے ہوئے یہی کہنا چاہیں گے کہ سلطان اختر اردو کا وہ سچا سپاہی ہے جو اردو کو لگنے والے ہر وار کو اپنے جسم پر لے کر اردو کی حفاظت کر رہا ہے۔ ☆☆

Quaterly Aurangabad
AKS-E-ADAB (Urdu)
email- akseadab@gmail.com
July to September 2024
MAHURD02321/13/1/2012-TC-Declaration Date : 21-09-2012
www.aksadaburdu.com
ISSN 2320-6519
Volume 13 Issue 48
U.G.C. Approved No.42266 (Ex.)

خاص خبر

منجانب عکس ادب محفل افسانچہ ، اجراء و مشاعرہ

اورنگ آباد۔ ۲۹ر ستمبر ۲۰۲۴ء بمقام عالم گیر ہال، بیت الیتیم، نزد شاہی مسجد اورنگ آباد ''عکس ادب'' کی جانب سے محفل افسانچہ، اجراء و مشاعراء کا انعقاد عمل میں آیا۔ پروگرام کا آغاز پروفیسر عظیم الدین نے تلاوتِ قرآن پاک سے کیا۔ پہلے اجلاس کی صدارت ڈاکٹر عظیم راہی نے کی۔ اس اجلاس میں ڈاکٹر فاطمہ فردوس، ڈکٹر نصرت حنفی، ڈاکٹر غزالہ پروین، ڈاکٹر شہاب افسر، ڈاکٹر یوسف صابرؔ، ڈاکٹر نخشب مسعود (مالیگاؤں) ڈاکٹر عزیز عرفان، معز ہاشمی اور صدر محفل ڈاکٹر عظیم راہی نے اپنے منتخب افسانچے سنا کر خوب داد و تحسین حاصل کی۔ ڈاکٹر عظیم راہی نے اپنے صدارتی خطبہ میں افسانچوں کی صورتحال پر روشنی ڈالی۔ افسانچے کے فن پر سیر حاصل بحث کی اور سنائے گئے افسانوں پر تنقید کی۔ اس اجلاس کی نظامت ادریس فاروقی عسکری نے بحسن و خوبی انجام دی۔ ڈاکٹر یوسف صابرؔ کے شکریہ پر اجلاس اختتام پذیر ہوا۔ دوسرے اجلاس کی صدارت ڈاکٹر مسرت فردوس نے کی۔ اس اجلاس میں مصنفہ ڈاکٹر صدیقی مدحت سلطانہ کی کتاب ''نسائی شاعری (تحقیق و تنقید)'' کا اجراء بدست ڈاکٹر غزالہ پروین عمل میں آیا۔ اس اجلاس کے آغاز میں ڈاکٹر صدیقی مدحت سلطانہ نے ''نسائی شاعری'' پر کام کرنے کے اپنے تجربات بیان کئے اور کتاب کی خوبیوں اور کمیوں پر بات کی۔ ڈاکٹر کیرتی جاولے نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے اس کتاب کی مصنفہ کے کام کو سراہا۔ اس کے بعد ڈاکٹر غزالہ پروین نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے تانیثیت اور نسائی ادب کے فرق کو واضح کیا اور تحریر کردہ کتاب ''نسائی شاعری'' کا تنقیدی جائزہ پیش کیا۔ ڈاکٹر مسرت فردوس نے اپنے صدارتی خطبے میں تانیثیت و نسائی ادب پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر صدیقی مدحت سلطانہ کی کتاب نسائی شاعری کا تفصیلی جائزہ پیش کیا اور اس کتاب کی خوبیاں اور خامیاں اجاگر کیں۔ آخر میں ڈاکٹر یاسمین صدیقی نے شکریہ کی رسم ادا کی۔ اس اجلاس کی نظامت راشدہ کوثر نے نہایت دلکش انداز میں کی۔ تیسرے اجلاس میں اسلم مرزا کی صدارت میں ایک پُر وقار مشاعرہ عمل میں آیا۔ اس مشاعرے میں صدر مشاعرہ اسلم مرزا، ڈاکٹر ارتکاز افضل، خان شمیم، ڈاکٹر سلیم محی الدین، شفیع احمد شفیع (پربھنی) لیاقت علی یاسر (جالنہ) ڈاکٹر سلیم نواز حشر جعفر آبادی ، ڈاکٹر یوسف صابرؔ، ڈاکٹر نصرت حنفی، ڈاکٹر غزالہ پروین، ڈاکٹر نخشب مسعود (مالیگاؤں)، حکیم خان حکیم، احمد اورنگ آبادی، ڈاکٹر منیب حنفی (پربھنی) طٰہٰ صدیقی (پربھنی) عبدالحسیب فتحان (جالنہ) عمران رضوی، مبشر عازم (جالنہ) اور اختر خان اختر نے اپنا منتخب کلام سنا کر خوب داد و تحسین حاصل کی۔ اس مشاعرے کی نظامت ارشاد ضیاء (پربھنی) نے نہایت مؤثر انداز میں کی۔ چوتھا اور آخری اجلاس ڈاکٹر ارتکاز افضل کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں ''عکس ادب'' (سہ ماہی) اورنگ آباد خصوصی گوشہ منتخب شعرائے مراہٹواڑہ (حصہ سوم) اپریل تا جون ۲۰۲۴ء کا اجراء بدست ڈاکٹر دوست محمد خان عمل میں آیا۔ اس موقع پر ابوبکر رہبر، ڈاکٹر عظیم راہی، ڈاکٹر دوست محمد خان اور صدرِ محفل ڈاکٹر ارتکاز افضل نے ڈاکٹر یوسف صابر کی مدیرانہ صلاحیتوں پر روشنی ڈالتے ہوئے ''عکس ادب'' کی ترقی کے لئے رہبری کی۔ آخر میں ڈاکٹر یوسف صابر کے شکریے پر پروگرام کا اختتام عمل میں آیا۔ اس پروگرام کی نظامت احمد اورنگ آبادی نے اپنے منفرد انداز میں کی۔ پروگرام کے دوران مختلف اجلاس میں وقفے وقفے سے اسٹیج پر بیٹھے تمام صدور، ادباء و شعراء اور مہمانان کو گلاب کے پھول پیش کئے گئے اور درمیانی وقفہ میں چائے و ناشتہ کا اہتمام کیا گیا۔ ڈاکٹر قاضی نوید صدیقی، پروفیسر عظیم الدین، احمد خاں ایم اے، رضوان احمد، انجینئر عادل عباسی، ڈاکٹر عبدالرب، عتیقہ اطہر موسیٰ، حسنیٰ نواز، ڈاکٹر نیلوفر، عفت صدیقی، ترمیم ہاشمی، ناز صدیقی، عطاءاللہ شاہ، سید مسعود احمد قیصر، اقبال خان اور شہر کے متعدد معزز سامعین ان اجلاس میں شریک تھے اور میزبان کی حیثیت سے سیدہ فرزانہ نسیم، شرجیل احمد خان اور عارفہ خان موجود تھے۔ اس پروگرام کے کنویز ابراہیم خان (ریٹائرڈ سینٹرل ایکسائز آفیسر) اور آرگنائزر ڈاکٹر یوسف صابرؔ (مدیر اعلیٰ 'عکس ادب') تھے۔

Publisher, Editor & Owner Dr. Yousuf Khan Jabbar Khan (Dr. Yousuf Sabir), Printed at Noorani Press, Mirza Ghalib Road, Near Juna Faran Hospital, Malegaon-324203, Dist. Nasik (MS) and published at P.No.174, S.No.201, Savera Park, Behind Ibrahim Masjid, Jatwada road, Harsul, Aurangabad-431008 (MS)

Quaterly Aurangabad
AKS-E-ADAB (Urdu)
email- akseadab@gmail.com
July to September 2024
MAHURD02321/13/1/2012-TC-Declaration Date : 21-09-2012
www.aksadaburdu.com
ISSN 2320-6519
Volume 13 Issue 48
U.G.C. Approved No.42266 (Ex.)

۲۹ر جولائی ۲۰۲۴ء۔ ڈاکٹر یوسف صابرؔ اپنی تصانیف ڈاکٹر حبیب النساء کو پیش کرتے ہوئے۔ ساتھ میں سیدہ فرزانہ نسیم۔

۱۵ر اگست ۲۰۲۴ء۔ جاوید انصاری اپنے دولت کدہ پہ اپنا کلام پیش کرتے ہوئے۔

۲۴ر ستمبر ۲۰۲۴ء۔ ڈاکٹر شہاب افسر، ڈاکٹر یوسف صابرؔ کو اپنی تصانیف پیش کرتے ہوئے۔ (بمقام ونچسٹر انٹرنیشنل اسکول جٹواڑہ روڈ، اورنگ آباد)

۷ر ستمبر ۲۰۲۴ء۔ ڈاکٹر یوسف صابرؔ بمقام گورنمنٹ کالج اورنگ آباد اپنا کلام پیش کرتے ہوئے۔

۲۷ر اگست ۲۰۲۴ء
ڈاکٹر یوسف صابرؔ پاڈیلا فنکشن ہال پربھنی میں اپنا کلام پیش کرتے ہوئے۔

۲۸ر ستمبر ۲۰۲۴ء۔
ارشد صدیقی، ڈاکٹر یوسف صابرؔ کو اپنی کتاب پیش کرتے ہوئے، ساتھ میں غلام ثاقب۔

Publisher, Editor & Owner Dr. Yousuf Khan Jabbar Khan (Dr. Yousuf Sabir), Printed at Noorani Press, Mirza Ghalib Road, Near Juna Faran Hospital, Malegaon-324203, Dist. Nasik (MS) and published at P.No.174, S.No.201, Savera Park, Behind Ibrahim Masjid, Jatwada road, Harsul, Aurangabad-431008 (MS)